رائل سیما کی صوفیانہ شاعری

کا

تہذیبی، ادبی اور لسانی مطالعہ

مقالہ برائے

پی۔ایچ۔ڈی

مارچ ۲۰۱۶ء

مقالہ نگار

سید جمال اللہ حسینی بخاری

نگران کار

پروفیسر مظفر شہ میری

شعبہء اردو

یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد۔۵۰۰۰۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

پیش لفظ

باب اول : رائل سیما کا مختصر تعارف اور اس کی تاریخ

باب دوم : اردو میں صوفیانہ شاعری کی روایت

باب سوم : رائل سیما میں صوفیانہ شعروادب کی روایت

باب چہارم : رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی اور لسانی مطالعہ

اختتامیہ

کتابیات

پیش لفظ

لسانی اعتبار سے رائل سیما کی زبان تلگو ہے۔اس علاقے میں تلگو زبان کثرت سے بولی جاتی ہے۔اس کے باوجود آج بھی یہاں اردو زبان بھی عوام وخواص میں مقبول ہے، بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت کا ایک اہم حصّہ ہے۔اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رائل سیما میں اردو زبان کب سے بولی اور پڑھی جارہی ہے۔تو اس کی تفصیل ڈاکٹر راہی فدائی نے اپنی تحقیق ''کڈپہ میں اردو'' میں پیش کی ہے۔مختلف دلائل کے حوالے پیش کرتے ہوئے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ علاقۂ رائل سیما میں اردو کی تاریخ کم وبیش تین سو برس سے بھی زیادہ ہے۔رائل سیما میں کئی صوفیائے کرام گذرے ہیں۔اردو زبان وادب پر ان صوفیاءِ کرام کا بہت بڑا احسان ہے۔صوفیاءِ کرام ہی کے ہاتھوں اردو زبان کی داغ بیل پڑی اور صوفیاءِ کرام کی آغوشِ تربیت میں نشو ونما بھی پاتی رہی۔اس کے ساتھ ساتھ مقامی حکمرانوں کی پشت پناہی نے بھی اردو کے پودے کو سرسبزی وشادابی عطا کی۔رائل سیما کے صوفیائے کرام نے شاعری کا گراں قدر ذخیرہ اور وقیع متصوفانہ کلام کا سرمایہ یادگار چھوڑا، جس میں اردو شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔اصنافِ سخن میں غزلیات، رباعیات، مثنویات، مراثی، قصائد، قطعات، مناجات، حمد، نعت، منقبت، مسدس، مخمس، مستزاد، ریختیاں، چکّی نامے، شادی نامے اور بودنامے وغیرہ شامل ہیں۔رائل سیما کے اردو ادب کی تاریخ صوفیانہ لٹریچر سے بھری پڑی ہے۔رائل سیما میں صوفیانہ لٹریچر کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی صوفیاءِ کرام نے تبلیغِ دین کے لئے قلم کا سہارا لیا۔انھوں نے دکنی اردو میں چھوٹے بڑے کئی رسائل نثر میں لکھے ہیں تو شاعری کے ذریعہ بھی اپنے پیام کو عوام تک پہنچایا ہے۔اس لٹریچر کی جہاں دینی ایک تاریخی اہمیت ہے وہیں اس کی تہذیبی، ادبی اور لسانی اہمیت بھی ہے۔جیسے جیسے دن گذرتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔رائل سیما میں کم وبیش تین سو سال پر محیط صوفیانہ لٹریچر موجود ہے۔یہ لٹریچر کچھ مطبوعہ شکل میں ہے تو کچھ مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہے۔

بحمد اللہ، راقم الحروف کا تعلق خاندانِ بخارا سے ہے۔ میرا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے حضرت سید شاہ کمال الدین بخاریؒ گرمکنڈ وی سے ملتا ہے۔اوراس بخارا خاندان میں کئی صوفیائے کرام گذرے ہیں جو صاحبِ تصانیف بھی ہیں اورآپ کوشعروادب کا خاص ذوق تھا۔ یہ بات حقیقت پرمبنی ہے کہ اردوزبان وادب ابتداء ہی سے صوفیائے کرام کے مرہونِ منت رہے ہیں۔صوفیائے کرام اردو زبان وادب کی ترویج وارتقاء کاایک بڑااوراہم وسیلہ رہے ہیں۔

خاندانِ بخارا کےصوفیائے کرام نے اشاعتِ اسلام وتبلیغ کے لئے اردوزبان میں علمِ تصوف پر کئی رسائل رقم کئے ہیں۔ان رسائل کے مطالعہ اور خانقاہی تعلیمات نے راقم الحروف کے اندرتصوف کا ذوق وشوق پیدا کیااور مجھے علمِ تصوف سے خاص شغف پیدا ہوا۔ چنانچہ میرے ایم۔فل کا تحقیقی کام بھی ایک صوفی بزرگ کے تصانیف پر ہوا۔میرے نگران کار استاذی محترمی ومکرمی پروفیسر مظفر شہ میری نے میری دلچسپی کومدِّ نظر رکھتے ہوئے میرے لیے پی۔ایچ۔ڈی کا موضوع ''رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی ولسانی مطالعہ'' تجویز کیا۔

موضوع کے انتخاب کے بعدمیرے سامنے سب سے مشکل اوراہم جومسئلہ تھاوہ مواد کی فراہمی کا تھا۔اس سلسلے میں میں نے مختلف کتب خانوں کا رخ کیا۔خانقاہوں اور سلاسلِ صوفیاء سے منسوب بہت سے اشخاص سے ملاقاتوں کے علاوہ مختلف مخطوطات کے مخزونوں' جیسے آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز ،کرناٹک اسٹیٹ آرکائیوز اورادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد اور سالار جنگ میوزیم' حیدرآباد سے مختلف نوعیّتوں سے مواد حاصل کیا۔

مواد حاصل کرنے کے لئے مجھے سب سے زیادہ جو تکلیف درپیش ہوئی وہ صوفیاء کرام کے افرادِخاندان سے ہوئی۔میرے موضوع کے لئے مواد کی فراہمی کا اہم ذریعہ خانقاہیں ہیں۔سوائے چند صوفیانہ رسائل کے بیشتر رسائل آج بھی صوفیاء کرام کے افرادخاندان کے کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔صوفیاء کرام کے متعلقین نے اس گنجینۂ علم وادب کواپنی رہائش گاہ کی حصاروں تک محدود کر رکھا ہے۔ان حضرات سے مواد حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کچھ کم نہ تھا۔ باوجودان مسائل ومصائب

کے راقم الحروف کو خود اپنے ہی خاندان کے چند صوفیانہ کلام کے مخطوطات ومطبوعات والدِ بزرگوار حضرت سید شاہ ظہور اللہ حسینی بخاری سجادہ نشین آستانۂ کمالیہ گرمکنڈہ کے توسط سے آپ کی قائم کردہ نجی لائبریری سے حاصل ہوئیں اور کچھ ریاستِ آندھراپردیش، کرناٹک اور تاملناڈو کے مختلف کتب خانوں سے۔

میں نے اس تحقیقی مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔جس کی تفصیل یوں ہے:

(۱) رائل سیما کا سیاسی، تہذیبی وادبی جائزہ

(۲) اردو میں صوفیانہ شاعری کی روایت

(۳) رائل سیما میں صوفیانہ شعروادب کی روایت

(۴) رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی اورلسانی جائزہ

(۵) اختتامیہ

باب اول میں علاقۂ رائل سیما کا سیاسی، تہذیبی وادبی جائزہ لیا گیا ہے' جس میں آندھراپردیش کے چار اضلاع واقع ہوتے ہیں۔اس میں مختصراً تاریخی پس منظر بھی پیش کیا گیا ہے۔

بابِ دوم کا عنوان ''اردو میں صوفیانہ شاعری کی روایت'' ہے۔اس باب میں اردو کے اہم شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کیونکہ اردو شاعری میں متصوفانہ موضوعات ہمیں ابتداء ہی سے ملتے ہیں۔ اس باب میں متقدم شعراء جیسے ولیؔ، سراجؔ، میرؔ، غالبؔ، دردؔ، سوداؔ، آتشؔ، ناسخؔ، امیر مینائیؔ، اقبالؔ، امجدؔ، بحریؔ وغیرہ کے کلام میں موجود صوفیانہ اشارات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ سوم کا عنوان ''رائل سیما میں صوفیانہ شعروادب کی روایت'' ہے۔اس باب میں رائل سیما کے اہم اور صاحبِ تصنیف صوفیاء کرام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ باب بھی اس مقالہ کا ایک اہم باب ہے اور اسی لیے قدرے ضخیم بھی۔اس باب میں رائل سیما کے صوفی شعراء کے حالاتِ زندگی، ان کی تصانیف اور نمونۂ کلام پیش کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم ''رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی ولسانی مطالعہ'' ہے۔زیرِ تذکرہ باب اس مقالہ کا سب سے اہم باب ہے۔اس باب میں رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ

پیش کیا گیا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ادبی قدریں کیا ہیں۔ اس میں تہذیبی عناصر کیا ہیں۔ ان صوفیائے کرام کی تصانیف کی لسانی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

باب پنجم مقالہ کا اختتامیہ ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں جن کلیات و دواوین سے استفادہ کیا گیا ہے وہ سب متداول اور معروف ہیں، اس لئے ان کے بار بار حوالوں سے عمداً احتراز کیا گیا ہے۔

اس تحقیقی کام کے سلسلے میں جن حضرات سے میں نے وقتاً فوقتاً اعانت و رہنمائی حاصل کی ہے ان سب حضرات کا شکرگزار ہوں۔ میں اپنے نگرانِ کار اور مشفق استاذ پروفیسر مظفر شہ میری کا خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ آپ نے مقالہ کے نگران کار کی حیثیت سے میرا بھر پور ساتھ دیا۔ دورانِ تحقیق صاحبِ موصوف کا سلوک میرے ساتھ مخلصانہ اور مشفقانہ رہا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ معیادِ تحقیق کی توسیع کے سلسلہ میں بھی جس قدر میری مدد فرمائی وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ میں آپ کی خدمت میں سراپا سپاس ہوں اور ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔ میں شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف حیدرآباد کے تمام اساتذہ کرام کا بھی مشکور و ممنون ہوں۔ میں ان تمام متعلقین اور احباب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مجھے اپنے زرین مشوروں سے نوازا اور ممکنہ تعاون فرمایا۔ میں اپنے بڑے بھائی، بہنوئی صاحبان اور دیگر رفقائے کار کے پُرخلوص تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

برادرم سید وصی اللہ بختیاری کا بھی صمیم قلب سے شکرگذار ہوں جنھوں نے مجھے ہمیشہ اپنے مخلصانہ مشوروں سے ممنون کیا۔

سید جمال اللہ حسینی بخاری

ایم۔اے، ایم۔فل

بابِ اول

رائل سیما کا مختصر تعارف

اور

اس کی تاریخ

رائل سیما کا مختصر تعارف اور اس کی تاریخ

رائل سیما میں چار اضلاع ہیں؛چتّور،کڈپہ،کرنول اور اننت پور۔اِسی لحاظ سے اس کے حدود یہ ہیں۔شمال میں ساحلی آندھرا،جنوب میں تمل ناڈو،مشرق میں تلنگانہ علاقہ،مغرب میں ریاستِ کرناٹک ہے۔

رائل سیما کا رقبہ 67,400 مربع کیلومیٹر ہے۔اس کی آبادی کم گنجان ہے۔یہ علاقہ زمانۂ قدیم سے ہی قحط اور خشک سالی کے لئے مشہور ہے۔معاشی طور پہ یہ علاقہ دو خطوں کی بنسبت پس ماندہ ہے۔اس خطہ میں کئی پہاڑی حصے ہیں۔زمین غیر زرخیز ہے۔اور بارش غیر موزوں ہوتی ہے۔صنعتی طور پر بھی یہ حصہ پس ماندہ ہی ہے۔

رائل سیما کے کئی اہم خطوں پر وقتاً فوقتاً سری کرشنا دیورائے کی حکومت تھی۔ پہلے اس علاقے کو سیما کہا جاتا تھا۔ چوں کہ سری کرشنا دیورائے نے یہاں حکومت کی تھی۔اس لئے اس حکمران کے ایک حصہ رائل اور سیما کو ملا کر رائل سیما (رائلوں کا علاقہ) بنایا گیا۔ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہاں کے علاقوں میں زیادہ تر پتھر پائے جاتے ہیں۔تلگو میں پتھروں کو رالّو کہتے ہیں۔اس لئے اس علاقے کا نام رائل سیما پڑا۔مرورِایام کے ساتھ رائل سیما بن گیا۔

ضلع چتور:

آندھرا پردیش کے رایل سیما کا پہلا ضلع ''چتور'' ہے جو کہ شمالی عرض بلد 12.37 سے لے کر 14.08 عرض البلد کے درمیان 78.03 مشرق عرض البلد سے 79.55 عرض البلد کے درمیان واقع ہے۔چتور کے مشرق میں آندھرا پردیش کا ضلع ''نلور'' اور ٹمل ناڈو کا ضلع ''چنگل پیٹ'' پایا جاتا ہے۔ چتور کے مغربی حصہ سے منسلک کرناٹک ریاست کا ضلع ''کولار'' ہے۔چتور کے جنوبی حصہ میں تمل ناڈو

کے نارتھ آرکاٹ کے اضلاع اور ''دھرم پوری'' ضلع واقع ہے۔شمال میں آندھرا پردیش کے اضلاع کڈپہ اورانت پورواقع ہے۔

چتور ضلع کا رقبہ 15152 مربع کلومیٹر ہے۔آندھرا پردیش کے رقبہ میں ضلع چتور کا رقبہ 5.5% فی صد ہے۔اسی طرح آندھرا پردیش کی آبادی میں ضلع چتور کی آبادی 5.1% فی صد ہے۔

ضلع چتور تمل ناڈو کی سرحد پر واقع ہے۔اس ضلع کے جدید دور سے انسانی وجود کا پتہ چلتا ہے۔یہ کہیں کہیں نظر آنے والے پانڈو راجاؤں کے مندروں سے ثابت ہوتا ہے۔والمیکی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کورو پانڈو کا علاقہ پہلی صدی عیسوی میں موجود تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ضلع چتور مختلف حکمرانوں کے ماتحت رہا۔تیسری صدی عیسوی میں اس علاقے پر ''پلاوا'' حکمرانوں نے حکومت کی۔اس کی بعد''چولا'' راجاؤں نے اس علاقے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور ایک لمبے عرصے تک اس علاقے پر حکومت کی۔بارہویں صدی عیسوی میں ''راجندر چولا'' نے ''کالاہستی'' کے مندر کی تعمیر کروائی اور اس نے کانچی کو اپنا دارالسلطنت بنا کر آندھرا پر حکومت کی تھی۔تیرھویں صدی عیسویں میں ''چولا'' حکومت کو زوال آگیا۔اس کے بعد یہ ضلع ''مالوا'' سلطنت میں آگیا۔چولا کے ''باج گذار'' ''یادوا راجولو'' نے چتور کے چندرگری علاقے پر حکومت کی۔دسویں صدی عیسوی میں یادوا حکمران امڑی نرسمہانے چندرگری کا قلعہ تعمیر کروایا۔

1324ء میں دہلی کے سلطان علاؤالدین خلجی کی فوج نے حملہ کر کے اس علاقے کو اپنے قبضہ میں کرلیا لیکن فوراً ہی ''ہری ہرابکا'' بھائیوں نے وجئے نگر سلطنت میں چتور ضلع کو شامل کرلیا۔

وجئے نگر سلطنت کے زوال کے بعد ''سری رنگا رائلو'' نے چندرگری کو اپنا صدر مقام بنا کر حکومت کی۔1646ء میں ضلع چتور گولکنڈہ نوابوں کے قبضہ میں چلا گیا۔کڈپہ کے نواب نے 'مدن پلی' وائل پاڑ' پنگنور کے علاوہ چتور کے چند تعلقوں پر حکومت کی۔آرکاٹ کے نواب نے گولکنڈہ نواب کی حکومت کے چند علاقوں پر اپنا سکہ جمالیا۔گولکنڈہ نوابوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد اس علاقہ پر کرناٹک کے نوابوں نے حکومت کی۔

1758ء میں آرکاٹ کے نواب والا جاہ خاں کے بھائی عبدالواجد خاں نے چندرگری قلعے پر

حکومت کی۔اس کے بعد میسور کے حکمران حیدرعلی نے چتور ضلع کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ضلع چتور پر نواب حیدرعلی خاں اوران کے بیٹے ٹیپو سلطان نے ایک طویل مدت تک حکومت کی۔

سری رنگ پٹن کی جنگ میں انگریزوں اورنواب نظام علی خاں کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آیا تھااور وہ یہ کہ اگر انگریز نواب حیدرعلی کو شکست دیں تو نواب نظام علی خاں ان کو مالگزاری ادا کریں۔ لہٰذا انگریزوں نے نواب حیدرعلی کو شکست دی اور 1792ء کے معاہدہ کے مطابق میر نظام علی خاں نے رائل سیما کے دوسرے علاقوں کے ساتھ ساتھ ضلع چتور کو بھی انگریزوں کے ہاتھوں دے دیا۔آخر کار انگریزوں نے 1800ء میں نظام کے رائل سیما ضلعوں کو ان کی حکومت میں شامل کروادیا جس میں ضلع چتور بھی شامل ہے۔

1800ء میں حیدرآباد کے نواب نظام علی خاں اپنی سلطنت کے لئے انگریزوں سے کئے ہوئے معاہدے 1792ء--1799ء کے مطابق ساری زمین انگریزوں کے حوالے کردیا۔اننت پور' بلاری' کڈپہ کے ضلعوں اور کرنول ضلع کے چند علاقوں کو بھی دیا گیا' اس طرح دینے کی وجہ سے ان سے لئے ہوئے منڈیا دتا منڈل کہا جاتا ہے۔اس وقت کڈپہ ضلع میں'ضلع چتور بھی شامل تھا۔شمالی آرکاٹ کے نواب کے مرنے کے بعد اس کا بھائی اپنی حکومت' انگریزوں کے حوالے کرکے' اس علاقے سے وصول ہونے والی آمدنی سے پانچواں حصہ لے کر زندگی گزارنے لگا۔اس شرط کے مطابق ضلع چتور اس کے حصہ میں آیا۔

ان دوحصوں پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز خود اپنی بات منوانے لگے۔وجئے نگر حکمرانوں کے دور میں سرحدی علاقوں کی حفاظت کے لئے''پالیگاروں'' کا تقرر کیا جاتا تھا۔اس کے صلے میں انگریزوں کو آرکاٹ نواب اور نظام سے چتور ضلع کے تیس پالیم محاصل کے طور پر دئے گئے تھے۔پالیگاروں اور فوج کا تقرر رہا تو وہ لوگ اطراف واکناف کے عوام سے رقم وصول کیا کرتے اور اس رقم کو آرکاٹ اور نظام کے نوابوں میں تقسیم کردیتے تھے۔اس طرح انگریزوں نے ان نوابوں کو اپنے قابو میں رکھا۔

پاکالا' مگرالا' اور پاٹور وغیرہ کے پالیگاروں کے خلاف بغاوت کرنے کی کوشش کی' جس کو انگریزوں نے ختم کردیا۔کالاہستی' کارویٹ نگر' پنگنور' کن گنڈی کے پالیگار آہستہ آہستہ اپنی قوت کو

بڑھاتے ہوئے انگریزوں کے پاس زمیندار بن گئے۔

بعض کڈپہ ضلع کے علاقوں کو شامل کر کے شمالی آرکاٹ بنایا گیا۔ چتور ضلع 1911ء اپریل کو ایک اہم مرکز بنایا گیا۔ جبکہ چتور ضلع کے علاقے چتور، پلمنیر ' چندرگری تعلقے وغیرہ' شمالی آرکاٹ اضلاع کے تعلقے تھے۔ جب کہ مدنپلی' وائل پاڑو غیرہ' کڈپہ ضلع کے علاقے تھے۔ زمینداری علاقے جو اس ضلع میں شامل کئے گئے تھے وہ پنگنور' کالاہستی' پتور' قدیم کارویٹ نگراسٹیٹ وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد یہ علاقے 1928ء میں شمالی آرکاٹ کے کن گنڈی تعلقہ میں شامل کردئے گئے۔ اس دور کے میسور کے آٹھ علاقوں کو اس ضلع کے (Enclaves) ین کلئیوس ہونے کی وجہ سے انہیں 1950ء کے معاہدہ کے مطابق چتور ضلع کو تبدیل کردیا گیا۔ 1960ء پٹاسکر ایوارڈ کے مطابق اس ضلع کو تروتنی تعلقہ کے زیادہ تر حصہ یعنی 282 گاؤں تروتنی نگر کے ساتھ ٹمل ناڈو چنگل پیٹ ضلع میں ملا دیا گیا۔ ٹمل ناڈو علاقہ کا تروتور تعلقہ کے 76 گاؤں کو ملا کر ستّے ویڈو تعلقہ بنایا گیا۔ ضلع چتور میں 1534 دیہات اور 1265 گرام پنچایت علاقے ہیں۔

چتور سے 67 کلومیٹر کی دوری پر ہندوستان کا مشہور و معروف مندر تروپتی میں واقع ہے۔ تروپتی میں ہندوؤں کے کئی مندر ہیں۔ قدیم دور سے ہی سب ہندو حکمران تروپتی کے وینکٹیشورا سوامی کو اپنا خدا مانتے ہیں۔ یہاں ہر دن تقریباً پندرہ ہزار سے ایک لاکھ تک مسافر آیا جایا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج تروپتی شہر تعلیمی مرکز کے ساتھ ساتھ علاج معالجہ اور تہذیبی و ثقافتی اور تجارتی امور کے لئے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ ضلع چتور کا مدن پلی ٹاؤن بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہاں سے 6 کلومیٹر کی دوری پر سانی ٹوریم (Sanitorium)' یا آروگیا ورم نامی مشہور و معروف ہسپتال ہیں۔ جہاں تپ دق کے مریضوں کے لئے کافی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ مدن پلی سے 16 کلومیٹر کی دوری پر ہارسلی ہلز (Horsley Hills) نامی پہاڑ واقع ہے۔ جو آندھرا پردیش کا ہل اسٹیشن ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی 1,266 میٹر ہے۔ ہارسلی نام کے کسی انگریز جو انڈین سول سروس افسر نے اسے 1870ء میں یہاں اپنی آرائش گاہ بنایا تھا۔ لہذا یہ پہاڑ اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چتور ضلع کا ایک اہم مقام ''رشی ویالّی'' ہے۔ یہ ایک تعلیم کا اہم مرکز ہے جو 1950ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس پہاڑ کے غار کے پاس

موجود والے اس خوبصورت علاقے میں یہ تعلیمی مرکز بنایا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کے تحت اسکول سرٹیفکیٹ کے امتحان کے ذریعہ یہاں تحصیل علم کرنے والے لڑکے لڑکیوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔

ضلع چتور میں کوئی بڑی ندیاں نہیں ہیں۔ البتہ یہاں چند ایک چھوٹی چھوٹی ندیاں موجود ہیں جن میں پاپاشنی پنچھا، کونڈنیا، پالار، ارنی، سورنمکھی، بھودا اور کلیانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ چتور ضلع کی غذائی پیداوار سالانہ 350 لاکھ ٹن ہے۔ گیہوں، راگی، باجرا، جاری اور کُھلتی وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ غیر غذائی پیداوار میں مونگ پھلی اور گنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ ضلع چتور کے پکم منڈل میں سونا، لوہا اور جنک جیسے دھاتوں کی کانیں بھی موجود ہیں۔ تعلیم کے لحاظ سے چتور ضلع رائل سیما میں ترقی یافتہ ہے۔ کیونکہ دوسرے ضلعوں کے مقابلے میں یہاں تعلیمی مراکز بہت ہیں۔ سری وینکٹیشورا یونیورسٹی شہر ترو پتی میں 1954ء میں اور پدماوتی مہلا یونیورسٹی 1983ء میں قائم کی گئی تھی۔ سری وینکٹیشورا یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم ہونے کی وجہ سے یہاں اردو زبان کو کافی ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ جو طلباء اردو زبان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں اردو نثر اور نظم میں دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس یونیورسٹی میں کئی طلباء و طالبات مختلف موضوعات پر اپنے تحقیقی مقالے لکھ رہے ہیں، جس کی وجہ سے میدانِ تحقیق میں کافی وسعت ہو رہی ہے۔ اس طرح عوام میں اردو زبان و ادب کی اہمیت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

رائل سیما کے تمام اضلاع میں چتور اول مقام پر ہے۔ جہاں 18 اردو میڈیم اسکول ہیں اور 200 پرائمری اسکول، 22 اپر پرائمری اسکول ہیں۔ 18 ہائی اسکولوں میں اردو ایک زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ چار جونیئر کالج، چار ڈگری کالج ہیں جہاں اردو زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ دس جونیئر کالج ایسے ہیں جہاں اردو دوسری زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اسٹڈی سنٹرس بھی کئی ہیں۔ مثلاً مدن پلی، چتور اور پلمنیر میں ڈاکٹر امبید کر اوپن یونیورسٹی کی شاخیں قائم ہیں۔ جہاں اردو کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا عمدہ انتظام ہے۔ اسی طرح مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی ایک تعلیمی شاخ گرم کنڈہ میں موجود ہے۔ جہاں سے پچاسوں اردو طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

کرنول:

کرنول رائل سیما علاقہ کا ایک اہم ضلع ہے اور یہ کافی ترقی یافتہ بھی ہے۔ کرنول کا رقبہ 17,658 مربع کیلو میٹر ہے۔ اور ریاست کے رقبہ میں 6.42% فیصد زمین سے گھرا ہوا ہے۔ ریاست کی آبادی میں کرنول کی آبادی 4.47% ہے۔

یہ ضلع جنوب میں 14.24 عرض البلد سے لے کر 16.11 عرض البلد تک اور شمال میں 75.50 طول البلد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس ضلع کے مشرق میں محبوب نگر ہے، جنوب میں اننت پور اور کڈپہ، مغرب میں کرناٹک اور شمال میں ضلع پرکاشم کی سرحدیں ہیں۔

1953ء میں آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد یہ چاروں ریاستیں کرنول میں شامل ہوگئے اور تاریخی اعتبار سے یہ ضلع کچھ اور اہمیت کا حامل ہوگیا۔ کرنول میں فی الحال 54 منڈل ہیں۔ اور 1991ء کے مردم شماری کے مطابق 29 لاکھ 73 ہزار افراد کی آبادی ہے۔ جس میں دس لاکھ 37 ہزار گیارہ سو چار افراد کا تعلق اقلیتوں سے ہے، جس میں چار لاکھ 90 ہزار 94 مسلمان ہیں، جن کی زبان اردو ہے۔

اس ضلع میں سیاہ مٹی اور لال مٹی کی زمینیں بالترتیب 60 اور 40 فیصد ہیں۔ ضلع کا درمیانی حصہ لال مٹی کے زمین سے بھرا ہوا ہے۔ باقی علاقہ سیاہ مٹی کی زمین ہے۔ شرح سال میں غذائی پیداوار 5.54 لاکھ ٹن ہے۔ یہاں دھان، مکئی، جاری، باجرہ وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ روئی، مونگ پھلی، تمباکو وغیرہ کرنول ضلع کے معاشی پیداوار ہیں۔

کرنول دریائے تنگ بھدرا اور ہندری ندی کے درمیانی علاقے میں واقع ہے۔ اسے جل درگم کا نام دیا گیا تھا۔ کیوں کہ ہندو راجاؤں کا یہ اعتقاد رہا کہ جو حاکم دو آبی علاقے پر حکومت کرے گا' وہی سارے دکن کا حاکم بنے گا۔ یہ عقیدہ کرنول کو صدر مقام بنانے کے خیال کو تقویت دیتا رہا۔ جل درگم کے بعد کندنا وولو کلکور، کندنول، کندنور، قمر نگر اور محمد نگر جیسے نام بھی کرنول کے لئے تجویز کئے گئے تھے۔ بعض کتابوں میں اسے BLACK DISTRICT کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

ضلع کرنول بہت دنوں تک چھوٹے چھوٹے علاقوں میں مختلف حکمرانوں کے ماتحت ہے۔ اہم

حکمرانوں میں نند، موریا، پلوا، بادامی چالوکیہ، راشٹر کوٹ، کلیانی چالوکیہ، یادوا، کاکتی وجئے نگر، بہمنی، بیجاپور کے عادل شاہی اور گول کنڈہ کے قطب شاہی، مغلیہ سلطنت، آصف جاہی سلطنت، علاقائی زمیندار، نلا راجو، کدمب بادامی تلگو چولا، ویلاناڈو چولا، کیستا کندوؤلو کے زمیندار کرنول کے نواب، بگین پلّی نواب، پالے گار وغیرہ ہیں۔ 1800ء میں کرنول' انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا اور آزادی ملنے تک ان ہی کے قبضہ میں رہا۔

1325ء میں کاکتی سلطنت کے زوال کے بعد آندھراپردیش' دہلی سلطانوں کی حکومت میں شامل ہو گیا۔لیکن تھوڑے ہی دنوں میں دہلی سلطانوں کا دور ختم ہو گیا۔آندھرا میں دہلی سلطانوں کی آمد کے فوراً بعد آندھرا آزاد حکومتوں میں تقسیم ہو گیا۔ان آزاد حکومتوں میں مشہور حکومت آروپٹی سوما راجو کی ہے۔اس طرح کرنول ضلع کا مغربی علاقہ وجئے نگر سلطنت میں اور مشرقی علاقہ میں ریڈی راجولو کے حکومت میں شامل ہو گیا۔

1525ء میں کرشنا دیورائے کے دور میں ضلع کرنول کرشنا دیورائے کی حکومت میں آ گیا۔تالی کوٹہ جنگ میں وجئے نگر سلطنت کا خاتمہ ہوا تو کرنول، گول کنڈہ، اور بیجاپور کے نوابوں کی حکومت میں چلا گیا۔ 1644ء میں گول کنڈہ کے نوب کرنول کے مشرقی علاقے کو اور بیجاپور کے نوابوں نے مغربی علاقے کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ 1687ء میں گول کنڈہ اور بیجاپور کے زوال کے بعد کرنول، مغل سلاطین کے قبضے میں چلا گیا۔انہیں کے دورِ حکومت میں اس علاقے کو زمین دار داؤدخان کے حوالے کیا گیا۔

داؤدخان کو کرنول کے بعد گجرات کا گورنر بنایا گیا۔اس کے بعد کرنول پر ابراہیم خان، الف خان، ہمت بہادر خان وغیرہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ہمت بہادر خان، مظفر جنگ اور صلابت جنگ وغیرہ اس کے زوال کے سبب بنے۔ ہمت خان کے انتقال کے بعد اس کے فرزند منور خان نے حکومت کی۔اس کے بعد اس کا تیسرا فرزند الف خان کو تخت نشیں کروایا گیا۔اس کی وجہ سے خاندانی فسادات شروع ہو گئے۔الف خان کے مظفر خان کو حکومت دی گئی۔لیکن الف خان کے دوسرے فرزند منور خان نے بلّاری سے فوج کو روانہ کیا اور کرنول کو فتح کرنے کے بعد مظفر خان کو جیل بھیج دیا۔مظفر خان کے بعد اس کا بھائی رسول خان 1823ء میں تخت نشیں ہوا۔

کرنول کے نواب اول عبدالوہاب خان سے لے کر آخری تاجدار غلام رسول خان نبی تک کے حالاتِ زندگی اور واقعات اس بات کے مظہر ہیں کہ یہ حکمران عوام کی فلاح و بہبودی اور رعایا کی خدمت کے ساتھ صوفیائے اکرام سے عقیدت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ عبدالوہاب خان جب بیجاپور سے کرنول کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے اپنے پیر و مرشد سید کریم اللہ بادشاہ قادری کرنول بلایا اور ان کے لئے ایک شاندار گنبد تعمیر کروایا۔ جو آج بھی علی گنبد عبدالوہاب کے نام سے مشہور ہے۔ عبدالوہاب خان اور محمد خان کے بعد نواب خضر خان نبی 1984ء اورنگ ازیب کی جانب سے کرنول کی صوبہ داری کے لئے آگئے تو نبی خاندان کا سلسلہ اقتدار برقرار رہا۔ مدت اقتدار کی تفصیل اس طرح ہے۔

ا۔ حضرت خان نبی	1652-1676
۲۔ داؤد خان	1675-1714
۳۔ علی خان المعروف رنمست	1714-1719
۴۔ ابراہیم المعروف بہادر خان نبی	1719-1733
۵۔ الف خان اوّل	1733-1746
۶۔ ہمت خان	1746-1750
۷۔ منور خان	1750-1792
۸۔ الف خان خامی	1792-1823
۹۔ غلام رسول خان	1823-1939

17 ویں صدی کے آخر میں بیگن پلّی کے نواب محمد علی بیگ اس ضلع پر قابض ہوئے۔ ان کے فرزند محمد بیگ خان پلنگ 1725ء تک جانشین رہے۔ اس حکومت کے ختم ہوتے ہی علی خان، فاضل علی خان اوّل، فاضل علی خان دوّم، 1760ء تک حکمران بنے رہے۔ ان کے بعد حسین علی خان، حیدر علی کے حملوں کو برداشت کرتے ہوئے میسور کے آخری تاجدار ٹیپو سلطان کے بلاوے پر کرنول چھوڑ کر حیدرآباد چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ٹیپو سلطان نے اپنے زمین داروں کو یہ علاقہ سونپ دیا۔ 1790-91ء میں حسین علی خان کے فرزندوں میں سید غلام علی خان 1793ء میں تخت نشین ہوا۔ سید

غلام علی خاں کے انتقال کے بعد حسین علی خان دوم، غلام علی خان دوم، فتح علی خان، میر کلام علی خان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ 1908ء میں میر علی دوم، غلام علی دوم، فتح علی خان، میر کلام علی خان نے حکومت سنبھالی۔ 1908ء میں میر علی خان سوم نے مدراس کو بنوائے اور مختلف صنعتوں کو ترقی دی۔ 1939ء میں اپنے فرزند کے اختلاف کی وجہ سے یہ علاقہ میسور پریسی ڈینسی کے ماتحت چلا گیا۔ آزادی کے وقت 1947ء میں انگریزوں نے یہ علاقہ میر فاضل علی خان سوم کو سونپ دیا۔ 1948ء کے بعد انگریزوں کی حکومت ختم ہوتے ہی میر غلام خان کی بادشاہت بھی ختم ہوگئی۔

غلام رسول خان کی شہادت کے بعد کرنول انگریزوں کی حکمرانی میں آ گیا۔ بہمنی خاندان نے عوام کی خدمت اور اردو کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ غلام رسول خان کے فرزند داؤد خان نے کرنول میں عربی مدرسوں کے قیام اور شعر و ادب کی طرف توجہ دی۔ انجمن اسلامیہ کے معاونت میں نواب داؤد خان کے بعد ان کے فرزند نواب شجاع الملک نے بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ انجمن اسلامیہ کرنول کے مختلف ادارہ جات آج جہاں سینہ تانے کھڑے ہیں، ان عمارتوں کی زمین شجاع الملک کی عطا کی ہوئی ہے۔

بقول صدیق احمد:

> ''نواب شجاع الملک کے فرزند الف خان نے راقم کو بتایا کہ نواب داؤد خان اور نواب شجاع الملک کو ہر دو کو شعر و سخن سے فطری لگاؤ تھا۔ آپ دونوں کا شعری سرمایہ دریائے تنگبھدرا کے درمیان تعمیر کردہ نہایت ہی خوب صورت محل ''خواب گاہ'' میں محفوظ تھا۔ مذکورہ دریا کی طغیانی میں یہ سارا سرمایہ بہہ گیا۔'' [1]

الف خان نے خدمتِ خلق کے ساتھ اردو نوازی کا بھی ثبوت دیا تھا۔ وہ ایک شاعر بھی تھے۔ الف خان کے بعد ان کے چھٹے فرزند غلام رسول خان بہمنی کا دور اردو زبان و ادب کے ساتھ کرنول کی سیاسی، سماجی اور مذہبی فضا کی ترقی کا باعث نظر آتا ہے۔ ان کے ایک اچھے شاعر ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

> ''کرنول کو (۵۲) باون ولیوں کا مٹھ کہا جاتا ہے۔

جس میں حضرت لطیف لاابالی، حضرت معصوم باشاہ قادری، اور دیگر اولیائے اکرام بہت مشہور ہیں۔ ان بزرگوں کے عرس ہر سال بڑی عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں۔ نعت، حمد، منقبت جیسے مراسم کو پڑھا جاتا ہے۔ خاص کر منقبت بازی کی ایک اہم محفل ہوتی تھی۔ عرس کا موقعہ ہوتا تو رات میں درگاہ کے مقام پر کئی شعراء وادباء احباب منقبت سنایا کرتے تھے۔ اور اولیائے اکرام کی کرامت و خدمات کا تذکرہ ہوا کرتا ہے۔'' ۲؎

ڈاکٹر وحید کوثر نے اپنے مضمون ''شاہ فی الحال'' میں کرنول کے صوفیائے اکرام کے تعلق سے یوں لکھا ہے:

''مجذوب کامل مولا مسکین کا اسم گرامی سید محمد بخاری تھا۔ آپ سامانا سے دکن آئے اور اپنے پیرومرشد حضرت شاہ معصوم کے ہم عصر تھے، آپ کا وصال 1185ء میں ہوا۔ آپ کا مزار محلّہ نئی پیٹ میں آج بھی مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔'' ۳؎

محمد صدیق احمد نے اپنے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ میں صوفیائے اکرام کی خدمات کا ذکر یوں کیا ہے:

''1775ء میں ٹیپو سلطان کے والد حیدر علی نے جب کرنول پر حملہ کیا تو نواب منور خان کی جانب سے صوفی حضرت مولانا مسکین نے حیدر علی سے مصالحت کروائی اور حیدر علی لوٹ گئے۔'' ۴؎

رائل سیما کے چار اضلاع میں کرنول میں اردو کی بڑی ترقی ہوئی۔ یہاں کی عوامی زبان اردو ہے۔ یہاں بلاتفریق مذہب وملت سب اردو بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آندھرا پردیش کا قیام عمل میں آنے کے بعد ایک مرتبہ، وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ عوام کس زبان میں ان کی تقریر سننا پسند کریں گے۔ انگریزی میں یا اردو میں۔ سارے مجمع نے اردو میں تقریر سننے کی فرمائش کی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کرنول میں کس قدر مقبول ہے۔ اس طرح کرنول کو ادبی ماحول کا ایک گہوارہ کہہ سکتے ہیں۔ اور ہندو مسلم تہذیب کا سنگم بھی۔

آزادی سے قبل یہاں ہندو حکمرانوں نے شہرت حاصل کرنے والے سری سیلم مہا نندی اور منترالیم کے جیسے منادر قابلِ دید ہیں۔ مسلم نوابوں کے دورِ اقتدار کی یادگار عمارتیں یہ ہیں۔ گنبد عبدالوہاب، کونڈا ریڈی برج، کرنول کا قیصر آباد، بیگن پلّی کا سمّر پیلس وغیرہ ہیں۔ ادھونی کی شاہی جامع مسجد آج بھی اپنی آن بان کی مظہر ہے۔

کرنول کی زمین سیاسی اعتبار سے بڑی زرخیز ہے۔ یہاں کے کئی سیاست دان نے ترقی کرکے وزارتِ عظمی کے عہدوں تک پہنچے۔ ڈی سنجیویا اور کوٹلہ وجے بھاسکر ریڈی آندھرا پردیش کے وزیرِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ نیلم سنجیوا ریڈی' صدرِ جمہوریہ ہند بنے تو پی.وی نرسمہا راؤ وزیرِ اعظم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ان کے علاوہ اکثر اوقات وزیرِ تعلیم، وزیرِ زراعت، وغیرہ بھی اس ضلع سے تعلق رکھنے والے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کرنول سیاسی، معاشی، سماجی اور ادبی' بلکہ ہر اعتبار سے اپنا ایک منفرد مقام رکھا تا ہے۔ یہاں آزادی کے بعد ادب کی ہر صنف پر توجہ دی گئی۔ نہ صرف تحقیق و تنقید بلکہ افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ کے علاوہ طنز و مزاح جیسی اصناف پر بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ نیز میدانِ صحافت میں بھی اس ضلع سے رائل سیما کے دوسرے اضلاع کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کرنول سے کئی اردو ہفتہ وار، ماہنامہ اور روزنامے وغیرہ نکلے ہی۔

چونے کا پتھر اور خام لوہے کی پیداوار ضلع کرنول کی خاص دھاتیں ہیں۔ یہاں بہنے والی اہم ندیوں میں تنگھبدرا، ہندری، کرشنا اور کندیرو وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

کڈپہ:

کڈپہ جنوبی ہند کے صوبہ آندھرا پردیش کے علاقۂ رائل سیما کا ایک مشہور و معروف ضلع ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے کڈپہ ۱۴، ۱۵-۴۳-۱۳ شمالی عرض البلد ۲۹-۷۹-۸۵-۷۷ مشرق طول البلد کے درمیان پایا گیا ہے۔ شہر کڈپہ کے شمال میں کرنول، جنوب میں چتور، مشرق میں نیلور اور مغرب میں انت

پور واقع ہے۔

لسانی اعتبار سے اس ضلع کی رائج زبان تلگو ہے لیکن گزشتہ تین سو سال سے یہاں قدیم اُردو زبان یعنی دکنی اُردو بھی پھلتی پھولتی رہی ہے۔ ورعوام وخواص بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت کا ایک خصوصی حصہ بھی رہی ہے۔ یہ واقعی بڑی مسرت وشادمانی کا مقام ہے کہ زبان اُردو کڑپہ میں نہ صرف نوابانِ اہل ذوق کی درباروں کی زینت بڑھاتی رہی بلکہ صوفیائے اہلِ دل کی خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا وسیلہ بن کر فروغ بھی پاتی رہی۔ ضلع کڈپہ پر جن ہندو حکمرانوں نے حکومت کی تھی، ان میں ساتاواہنا راجہ بھی شامل ہے۔ میکادونی نے لکھا ہے کہ ضلع کڈپہ پر پہلے' ساتاواہن حکمرانوں نے حکومت کی تھی۔ اوراس کے ثبوت جمّل مڈگو تعلقہ کے پدّ موڈیم میں ملے ہوئے ساتاواہن دور کے سکّوں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔

ساتاواہنا حکمرانوں کے زوال کے بعد دوسری صدی عیسویں میں یہ علاقہ پلّوا کی حکومت میں تھا۔ اوران کی حکومت چوتھی صدی تک جاری رہی۔ تعلقہ سدّ وٹ' گنگا پیرور میں ملے رومن سکّوں کے ذریعہ اس حکومت کے بابت ثبوت ملا ہے۔ پلّوا کے بعد اکشواس، چالوکیا کی حکومت کا ہوتا ہے۔ آندھرا کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز کرنے والے صرف چالوکیہ ہیں۔ چالوکیا کا پیدائشی مقام ضلع کڈپہ تھا۔ اس نے چالوکیا سلطنت کو قائم کیا۔ اور ساتویں صدی عیسوی میں سارے آندھرا پردیش کو فتح کرلیا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں کاکتی گنپتی دیو نے کڈپہ ضلع کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ چودھویں صدی میں پرتاپ رُدرا اوراس کے بعد پلاؤں نے اس ضلع کے راجَوٹی علاقے پر حکومت کی۔

کڈپہ پر جن حکمرانوں نے حکومت کی ہے، ان میں سلاطینِ وجئے نگر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ 1565ء کی تباہ کن جنگِ تالی کوٹہ تک اس حکومت نے بڑی لگن اور دلچسپی کے ساتھ اس علاقے کی ترقی کی۔ لیکن جنگ کے بعد اس سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ دو سال بعد 1567ء میں رام راج کے بھائی نے لنکنڈے کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور حکومت کرتا رہا۔ وجئے نگر کے زوال کے بعد اکثر قلعہ داروں نے اپنی آزاد ریاستیں قائم کرلیں۔ انہیں عرفِ عام میں پالیگار کہا جاتا تھا۔ مرکز سے ان کا تعلق برائے نام تھا۔ چناں چہ اس دور میں سکون درہم برہم ہوگیا۔ جس کی وجہ سے دوسری حکومتوں کو اس پر قبضہ کرنے

کا موقعہ مل گیا۔

وجے نگر سلطنت کے دور میں تلگو اور کسی حد تک کنڑ زبانوں کی ترقی ہوئی۔ اردو یا دکنی کا اس دور میں بہت کم، کہیں کہیں نشان ملتا ہے۔ وہ بھی اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھی۔

اس علاقہ کی زرخیزی اور جواہرات کی کثرت کی وجہ سے عادل شاہی سلاطین کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ چناں چہ انہوں نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ یہاں ایک مستقل حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے۔ البتہ گول کنڈہ، حیدرآباد کے سلطان عبداللہ قطب شاہ کے قابل سپہ سالار میر جملہ کو اس علاقے کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس نے ایک قومی سردار نیک نام خاں کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود کرناٹک کی طرف چل دیا۔ نیک نام خان نے فتوحات کا ایک سلسلہ شروع کیا اور آندھرا پردیش میں پہلی مسلم ریاست کی بنیاد ڈالی اور یہ پہلا مسلم جاگیردار تسلیم کیا گیا۔

میر جملہ نے کرناٹک کے علاقہ پر قبضہ کر کے اسے قطب شاہی سلطنت میں ملا دیا۔ لیکن قطب شاہی سلطان سے بغاوت کی اور نگ زیب سے جا ملا۔ عبداللہ شاہ نے نیک نام خان کو اس علاقہ کا سردار بنایا۔ نیک نام خان حکومت کی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ بعد میں یہ علاقہ 1687ء میں مغلوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

ہمیں قطب شاہی دور میں ضلع کڈپہ میں اردو دکنی ادب کا کوئی نقش دکھائی نہیں دیتا ہے۔ جب کہ قطب شاہی دکنی ادب کا اثر یہاں دکھائی دینا ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں قطب شاہی سلاطین کی راست حکومت کے بجائے ان کے نمائندوں کی حکومت تھی۔

قطب شاہی سلطنت کے سقوط کے بعد دکن کے کئی علاقے جن میں سدّ وٹ، گرم کنڈہ اور گنڈی کوٹہ وغیرہ حیدرآباد کے ماتحت آ گئے۔ لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب مرکز کمزور ہوا تو اکثر صوبہ دار خود مختار ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی اپنی ریاستیں الگ قائم کر لیں۔

اِس دور میں دکنی زبان وادب ترقی کی طرف گامزن نظر آتے ہیں۔ چوں کہ ان کی تصانیف 1800ء کے قریب ملنی شروع ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر سلطنتِ خداداد کے عہد میں کیا گیا ہے۔

سقوطِ مغل حکومت کے بعد جن صوبہ داروں نے اپنی اپنی ریاستیں الگ قائم کئے، ان میں

خاندانِ میانہ کی حکومت بھی شامل ہے۔عبدالنبی خان بن عبدالکریم خان شیر سے لڑائی کے بعد کامیاب ہوا اور سدوٹ کا قلعہ دار مقرر رہوا۔اسی لئے میانہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔اس خاندان کے نوابوں کا مختصر حال حسبِ ذیل ہے۔

عبدالنبی خان اس خاندان کا بانی ہے۔جس نے گنڈی کوٹہ اور گرم کنڈہ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر کے اپنے رعب کا سکہ بٹھایا۔ یہ وہ نواب ہے جس نے شہر کا نام ''نیک نام آباد'' سے کڈپہ کیا۔مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے یہ کام نیک نام خان کی یاد کو لوگوں کے دلوں سے محو کرنے کی خاطر کیا تھا۔

عبدالمجید خان، عبدالنبی خان کا ولی عہد تھا جو کہا جاتا ہے کہ مادرزاد نابینا تھا۔مگر وہ اپنے سیاسی شعور اور فہم اور فراست کے لئے اپنا کوئی ثانی نہ رکھتا تھا۔

عبدالمجید خان بھی عبدالنبی خان کا فرزند تھا۔اس کے تعلق سے یہ مشہور ہے کہ وہ ایک علم دوست نواب تھا۔اردو کا مشہور شاعر محمد حیدر بن جعفر اسی کے دربار سے وابستہ تھا۔

نواب محسن عوام میں موچا میاں کے نام سے معروف تھا۔اس کے دور میں بہت سی بغاوتیں اور شورشیں ہوئیں۔حتیٰ کہ خزانہ کی پائی پائی خالی ہوگئی۔چناں چہ امراء کے دربار میں اُسے معزول کر کے عبد المجید خان کو نواب مقرر کیا۔جو ایک بغاوت میں مارا گیا۔

عبدالمجید خان کا بیٹا عبدالحلیم خان اُس خاندان کا آخری نواب تھا۔حیدر علی نے اس کو شکست دی اور ہمیشہ کے لئے اس کے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

میانہ خاندان کے دورِ حکومت میں اردو زبان و ادب کی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔غالباً نواب عبد المجید خان کے دور سے شعراء و ادباء کی دربار سے وابستگی کی روایت کا آغاز ہوتا ہے۔چناں چہ دکنی زبان کے شاعر محمد حیدر بن جعفر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے حضرت امام بوصیری کے شہرۂ آفاق عربی قصیدہ ''قصیدۂ بردہ'' کو دکنی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ ہندوستان میں قصیدۂ بردہ کا اولین ترجمہ ہے۔اور یہ اعزاز صرف شہر کڈپہ کو حاصل ہے۔قصیدۂ بردہ کی تخلیق کے متعلق واقعہ کو فریدہ بردہ شرح قصیدۂ بردہ میں حسن علی خان ابن مفتی محمد علی خان یوں رقم طراز ہیں:

''قصیدۂ بردہ، عربی کا ایک بے حد مقبول نعتیہ قصیدہ

ہے، جو شیخ الاسلام شرف الدین محمد بن سعیدؒ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی تخلیق ہے۔ ''بردہ'' کے معنی عربی زبان میں چادر کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت امام بوصیریؒ پر ایک مرتبہ فالج کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے سارا جسم مفلوج ہوگیا۔ مگر دماغ و زبان محفوظ تھے، اس موذی مرض کا علاج سینکڑوں قسم سے کیا گیا لیکن کوئی صورت افاقہ کی نظر نہیں آئی تو آخرکار حضرت بوصیریؒ نے حضور اکرم ﷺ کی چشمِ کرم کو ملتفت کرنے کے لیے بارگاہِ رسالتؐ میں فرطِ عقیدت سے اس قصیدے کو نذر کیا۔ تو دفعتاً خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ، حالت خواب میں حضور پُرنور ﷺ کے شرف دید سے مشرف کیے گئے۔ خواب ہی میں حضور اکرم ﷺ نے آپ سے قصیدہ سنانے کی فرمائش کی۔ حضرت بوصیریؒ نے یہی قصیدہ، آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بڑے ہی والہانہ انداز میں پیش کیا، حضور اکرم ﷺ نے اس نعتیہ قصیدہ کو سماعت فرما کر اپنی مسرت و انبساط کا اظہار اس طرح فرمایا کہ اپنے جسم اطہر پر موجود چادرِ مبارک نکال کر حضرت بوصیریؒ کے بدن پر اُڑھا دیا، اس چادر کی برکت سے آپ کا جسم یکلخت صحت مند و توانا ہوگیا۔ فرطِ مسرت سے حضرت بوصیریؒ کی آنکھ کھل گئی، بیدار ہوکر دیکھتے ہیں تو واقعتاً آپ کا جسم پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تر و تازہ اور صحیح و سالم ہو چکا ہے۔ اس محیر العقول واقعہ کے بعد سے اس قصیدہ کی شہرت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی اور یہ ''قصیدہ بردہ'' کے نام سے، سارے جہاں میں مشہور ہوگیا۔ حضرت بوصیریؒ نے اس قصیدہ کو ۶۸۸ھ میں تخلیق فرمایا تھا۔''

اگرچہ اس دور میں دکنی شاعری ترقی کر رہی تھی۔ مگر اردو یا دکنی نثر کا کوئی نقش نہیں ملتا ہے۔ البتہ جب میانہ خاندان کے فوری بعد ضلع کڈپہ سلطنتِ خداداد کے ماتحت آجاتا ہے تو یہاں شاعری کے ساتھ ساتھ اردو نثر کا آغاز بھی ہوتا ہے۔

حیدر علی خان بہادر نے ۱۷۶۱ء میں سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ

کے ہونہار فرزند حضرت ٹیپو سلطان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اور بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ اس علاقہ پر حکومت کی۔ تاہم ایک غدار کی سازش کی وجہ سے آپ جنگ میں شہید ہوگئے۔ اور انگریزوں اور نظامِ دکن کے درمیان ایک معاہدہ کے مطابق یہ علاقہ ۱۷۹۲ء میں سلطنتِ آصفیہ میں شامل ہوگیا۔

عہدِ حیدر و ٹیپو میں جنوب میں اور خاص طور پر ضلع کڈپہ میں اردو کی خاصی ترقی ہوتی ہے۔ حضرت ٹیپو سلطان نے اپنے زمانے کے صوفیاء و علماء اور شعراء و ادباء کو اپنے دربار میں جمع کیا تھا۔ وہ ان سے دین و دنیا کے معاملات میں صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ چناں چہ انہوں نے ضلع کڈپہ کے مشہور صوفی بزرگ شاعر و ادیب حضرت سید محمد حسینی شہہ میری کو میسور آنے کی دعوت دی۔ مگر آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ کمال کو سری رنگا پٹنم روانہ فرمایا۔ سلطان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور شاہ کمال، حضرت ٹیپو کی شہادت تک میسور میں مقیم رہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنتِ خداداد میں اردو شعر و ادب کی ترقی ہو رہی تھی۔

حضرت شاہ میر اول اور ان کے دونوں چھوٹے بھائی حضرت شاہ نور اللہ قادری اور حضرت شاہ کمال اپنے زمانے کے معروف صاحبِ تصنیف شاعر و ادیب گزرے ہیں۔ اردو نثر میں حضرت شہ میر اول کی نثری تصانیف اسرار التوحید، انتباہ الطالبین اور حضرت شاہ نور اللہ قادری کی ارشادِ نوریہ کے علاوہ حضرت شاہ کمال کی اذکار، حسن السوال وحسن الجواب اور کمال المعروف وغیرہ ایسی تصانیف ہیں، جن کے بغیر دکنی نثر کی تاریخ ادھوری رہے گی۔ نثر نگاروں کے علاوہ کئی شعراء بھی اس عہد میں گزرے ہیں۔ جن کا ذکر مقامی ادب کی تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

جہاں تک سلطنتِ آصفیہ کا تعلق ہے، اس دور میں پالیگاروں کی بغاوت کی وجہ سے ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ آخر ۱۸۰۰ء میں نظام دکن نے اس علاقہ کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔ اس دور میں اردو زبان و ادب کی کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔

جب یہ علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں آیا تو ۱۸۰۰ء میں میجر تھامس منرو اس علاقہ کا کلکٹر مقرر ہوا۔ جس نے اپنے فولادی ہاتھوں سے پالیگاروں کی سرکوبی کی۔ اور امن وامان قائم کیا۔ اس کے بعد

حکومت ایک ضبط و توازن کے ساتھ چلتی رہی۔ تا آں کہ ہندوستان آزاد ہو گیا۔

انگریزی حکومت کے ان ڈیڑھ سو برسوں میں ضلع کڈپہ میں اردو کی قابلِ ستائش ترقی ہوئی ہے۔ کئی صاحبِ طرز شعراء اس دور میں گزرے ہیں۔ اردو کے مشہور شاعر محمد رفیع سوؔدا کے ہم عصر شاعر حضرت سید محمد حسینی عرف شہ میر بادشاہ ثانی المتخلص بیرنگؔ بھی اس عہد کے شاعر ہیں۔ جہاں تک اس دور میں اردو نثر کا تعلق ہے۔ حضرت سید جلال الدین یوسف علی شاہ بخاری قادری فرزندِ کلاں حضرت شاہ کمال کا نامِ گرامی سرِ فہرست ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کو آزادی ملی تو اس وقت تک کڈپہ میں اردو زبان و ادب کی کافی ترقی ہو چکی تھی۔ آزاد ہندوستان میں پیدا ہونے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے کڈپہ کے سپوتوں نے اردو کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد تعلیمی سہولتیں بھی بڑھ گئیں۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ اہلِ کڈپہ تعلیم کی طرف دھیان نہ دیتے۔ چناں چہ تعلیم کی ترقی کے ساتھ اردو تحقیق و تنقید کی طرف بھی توجہ بڑھ گئی۔

مذکورہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ضلع کڈپہ کے مسلمان نوابوں اور حکمرانوں نے جہاں صوفیاء اکرام کی عزت افزائی کی۔ وہیں ان کی تحریروں کو بھی آنکھوں سے لگایا۔ مسلمان حکومتوں کے دوران میں اردو نثر کو کافی ترقی ہوئی۔

آزادی کے بعد سہولتوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے اردو تحقیق کاروں کا ایک سلسلہ چل نکلا ہے جو جاری ہے۔ اس کے علاوہ تخلیقی ادب میں افسانہ نگاری اور ڈرامہ نگاری بھی آزادی کے بعد ضلع کڈپہ میں ترقی پاتے رہے ہیں۔

دورِ حاضر میں کڈپہ کو ادبی جغرافیہ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہاں کے صاحبِ طرز اور صاحبِ اسلوب شعراء و ادباء کی وجہ سے کڈپہ ہمیشہ ممتاز مقام کا حامل ہے۔

ڈاکٹر ساغرؔ جیدی، پروفیسر ستار ساحرؔ، ڈاکٹر راہیؔ فدائی، محمود شاہدؔ، عقیل جامدؔ، اشفاق رہبر، یوسف صفی، ڈاکٹر اقبال خسروؔ قادری، حبیب احمد ساجدؔ، ن.م. جالبؔ، ش.م. ہاشمؔ، ستارؔ فیضی اور شکیل احمد شکیلؔ وغیرہ کڈپہ کی نمائندگی تمام ادبی محفلوں اور مشاعروں میں کرتے رہتے ہیں۔

کڈپہ کوادبی دنیا میں ایک دبستان کی حیثیت حاصل ہورہی ہے۔ مستقبل کا مؤرخِ ادب دبستانِ کڈپہ کو تاریخِ ادب میں' ایک اہم مقام عطا کرے گا۔

انت پور:

آندھراپردیش کے مغربی حصّہ میں واقع انت پور، رقبہ کے لحاظ سے ریاستِ آندھراپردیش میں سب سے بڑا ضلع ہے۔ تاہم انت پور کو آبادی کے لحاظ سے چھٹا مقام حاصل ہے اور گنجان آبادی کے لحاظ سے اسے نواں درجہ حاصل ہے۔ انت پور کا جائے وقوع 13,40,15,15 درمیانی عرض بلد اور 67,50,78,30 طول بلد کے درمیان میں ہے اور سطح سمندر سے جنوبی حصّہ 670 میٹر اونچائی پر ہے اور شمال میں سطحِ سمندر سے ہوتا ہوا گتّی شہر تک پھیلا ہوا ہے۔ تاڑی پتری 274 میٹر لمبا ہے۔ ضلع کڈپہ کی طرف جو مشرقی حصّہ، وہ سارے کا سارا پہاڑی علاقہ ہے۔ جنوبی حصّہ میں سرخ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے۔

انت پور کے شمال میں کرنول، جنوب میں ضلع چتور، مشرق میں صوبۂ کرناٹک ریاست، مغرب میں کڈپہ سے گھرا ہوا ہے۔

انت پور میں 1,74,792 آبادی پائی گئی ہے۔ انت پور ضلع کو ۱۹۶۹ء میں منسپالٹی میں شامل کیا گیا۔ اس میں گنتکل، ہندوپورم، تاڑی پتری، کدری، دھرماورم، رائے درگ، گتّی، ورواکنڈہ، کلیان درگم وغیرہ منڈل شامل ہیں۔

۱۹۸۰ء-۸۲ء انت پور کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ ان دو برسوں میں بلّاری ضلع کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے ایک حصّہ کو انت پور ضلع بنایا گیا۔ نیز انت کے نام پر ضلع کا نام رکھا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے ۱۳۴۴ء میں بُکّا دیورائے کے دربار میں چکاوڈ ڈھیا نامی وزیر نے یہاں کے ایک تالاب کی دونوں طرف انت پور ساگر اور بُکالا یا سمدرم گاؤں کو بنائے۔ بُکارائے کی رانی کی وجہ سے

اننت پور کا نام ساگرنام پڑا۔ تاہم بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ بُکا رائے کی کوئی رانی نہیں تھی۔ یہ صرف چکاوڈیا کے لقب ''اننت وسا'' کی وجہ سے اننت پور نام پڑ گیا۔

اننت پور کا نام سنتے ہی وجرا کرار اور رو کے ہیروں کی زمین کے علاوہ، لیپاکشی اور پنو کنڈہ وغیرہ جیسے تاریخی مقامات یاد آتے ہیں۔ پتھر کے دور سے لے کر بعد اشوکِ اعظم تک، اننت پور کی تاریخ اندھیرے میں ہے۔ لہٰذا مؤرخوں کو تاریخ نویسی کے لئے جو ثبوت چاہیئے وہ حاصل نہیں ہو سکے۔

اشوک کے بعد تیسری صدی میں ضلع موریا کی حکومت میں رہا۔ اس کے بعد پلّو اسلطنت میں شامل ہوگیا۔ پلّوا کے بعد، چالوکیہ سلطنت آئی۔ اس کے فوراً بعد یہ ضلع ۷۵۰ء سے ۹۵۰ء تک راشٹر کوٹ حکومت کے زیرِ اقتدار رہا۔ ان کے بعد گنگا راجو اور چولا بادشاہوں نے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا۔

اننت پور طویل عرصہ تک حکومت کرنے والوں میں پہلا نام وجئے نگر حکمرانوں کا ہے۔ جو پورے دو صدیوں تک حکومت کرتے رہے۔ وجئے نگر حکمرانوں کی تعمیرات میں پنو کنڈہ اور گتّی کے قلعے وغیرہ مشہور ہیں۔ بالآخر وجئے نگر حکمرانوں کو شکست دے کر گولکنڈہ کے نوابوں نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا۔

۱۶۷۷ء میں شیواجی کی قیادت میں مہاراشٹراؤں نے اننت پور ضلع پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بیجاپور کے نوابوں نے انہیں ختم کرنے کے بعد ۱۶۸۷ء میں مغل بادشاہ اورنگ زیب نے دکن پر حملہ کیا اور اسے فتح کرنے کے بعد اننت پور ضلع کو بھی مغل سلطنت میں شامل کرلیا۔

دکن پر اپنی حکومت کا سکّہ بٹھانے کے بعد مغل بادشاہ کے وزراء حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے کہ ۱۷۲۳ء میں خودمختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ انہیں حکومتوں میں ''آصف جاہ'' خاندان کی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ ضلع اننت پور کا علاقہ اسی سلطنت میں شامل تھا۔

آخر ۱۷۴۶ء میں کرناٹک کے نواب حیدر علی نے مراری راؤ کو شکست دے کر اِس علاقہ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

۱۷۹۲ء میں حیدر علی کے بعد ان کے فرزند ٹیپو سلطان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۷۹۲ء میں دوسری جنگ میسور میں ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد اننت پور کے کچھ علاقے نظام کی حکومت میں چلے گئے۔ ۱۷۹۲ء میں تیسری جنگِ میسور میں ضلع اننت پور کو نظام نواب نے فتح کرکے اپنی

سلطنت کو وسعت دی۔

نظام کو بھی کچھ ہی دنوں میں اننت پور کا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ کیوں کہ ۱۷۹۹ء میں برٹش گورنر جنرل ولیز لی نے امدادفوجی طریقہ کو رائج کیا۔ جس کے مطابق اپنے علاقہ کی حفاظت کے لئے رکھی گئی برٹش فوج کے خرچ کے لئے کچھ رقم دینا تھا۔ کیوں کہ نظام یہ رقم ادا نہ کر سکے، انہوں نے ۱۸۰۰ء میں ضلع اننت پور کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

اننت پور کے انگریزوں کے قبضہ میں جاتے ہی انہوں نے ۱۸۰۷ء میں بلّاری اور کڈپہ کو دو ضلعوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح بلّاری، اننت پور ضلع کا ایک حصّہ بن گیا۔

اکتوبر ۱۹۵۳ء میں بنائے گئے آندھراپردیش اسٹیٹ ایکٹ ANDHRA PRADESH STATE ACT کے تحت رائے درگ کو بلّاری سے جدا کر کے اننت پور میں شامل کیا گیا اور اس علاقہ میں انگریز کلکٹر سر تھامس کے آنے سے اِس علاقہ کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا اور ساری دفتری کاروائیاں یہیں ہونے لگیں۔ اس دور میں جو گسٹ ہاؤس تھا، آج اسے کلکٹر بنگلہ کہا جاتا ہے۔ دسمبر ۱۹۸۳ء میں اس ضلع میں دھرماورم تعلقہ کے چند علاقوں کو بلّاری ضلع کے رائے درگ تعلقہ سے اور کچھ علاقوں کو ملا کر کلیانہ درگم تعلقہ بنایا گیا۔

۱۹۸۵ء میں اننت پور ضلع کو ریوینیومنڈل میں تبدیل کیا گیا۔ اسی سال تعلقے علاقہ واری کو ترک کر کے ۶۳ ریوینیومنڈل بنائے گئے۔

ضلع اننت پور میں اردو کی ترقی کے لئے بھی کوششیں جاری ہیں۔ مگر یہاں اردو تعلیم کی ترقی کے لئے مواقع کم نظر آتے ہیں۔ کدری ہی ایک ایسا علاقہ ہے جہاں ہائی اسکول، جونیئر کالج اور ڈگری کالج کے سطحوں پر اردو ذریعہ تعلیم کا انتظام ہے۔ S.K یونیورسٹی میں اردو تعلیم کا انتظام نہیں ہے البتہ اس کے ملحقہ، ہاجرہ کالج، کرنول میں اب ایم. اے کی سطح پر اردو پڑھائی جارہی ہے۔

اردو کی ترقی کے لئے کئی انجمنیں قائم ہیں۔ اور لوگ ان انجمنوں کے ذریعہ اردو کی ترقی کے لئے کوششیں کررہے ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہندوپور کے زیرِ اہتمام سینٹر تریہ ہائی اسکول میں 1996ء اگسٹ میں ایک شاندار تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ جس میں اردو کی ترقی کے لئے راہیں تلاش کی گئی تھیں۔

آج کل اننت پور میں اردو کی ترقی کی طرف توجہ کی جارہی ہے۔ عرس وغیرہ کے موقعوں پر مشاعروں اور نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ لوگ ان مشاعروں میں جوق درجوق شرکت کرتے ہیں۔ کالجوں اوراسکولوں کی سطح پر بھی ادبی جلسے منعقد کئے جارہے ہیں۔ انعامی مقابلوں کے ذریعہ بھی اردوزبان وادب کی مقبولیت میں اضافہ ہورہا ہے۔

اردو کے لئے کام کرنے والوں میں ایک اہم نام کریؔم رومانی مرحوم کا ہے۔ جنھوں نے اپنی بے لوث خدمات سے اردوشعروادب کو مقبول بنایا۔ ان کے استاد حضرت عبداللطیف کاظؔم جامعی نے بھی اردو زبان وادب کی خدمات انجام دی ہیں۔ ان دونوں گراں قدر ہستیوں نے نہ صرف درس وتدریس کے پیشہ کو عزّت بخشی اور لائق شاگردوں کو پیدا کیا بلکہ انھوں نے تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ کی۔

اننت پور کے ادیبوں میں ایسے ادیب بھی ہیں، جنھوں نے اردو تصانیف کے ترجمے دوسری زبانوں میں کرکے دوسری زبانوں میں اردو کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔ مثلاً اننت پور کے پیرانِ نظامی نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ''ترجمان القرآن'' کے اٹھارہ پاروں کے ترجمے اور تفسیر کو مکمل طور پر تلگو میں منتقل کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے مولانا حسن نظامی کی تصنیف ''بیگمات کے آنسو'' اور سید سلیمان ندوی کے ''خطباتِ مدراس'' کا ترجمہ بھی تلگو میں کیا ہے۔

یہاں بابا فریدالدین کی مزارِ شریف ہے اور بابیا درگاہ ہے۔ جہاں ہر سال عرسِ شریف منایا جاتا ہے۔

اننت پور کو سلطنتِ وجئے نگر کے زیرِ انتظام رہا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی یہ شہر ایسٹ انڈیا کمپنی کے کنٹرول میں آگیا۔ تاکہ انگریز اپنی حکمتِ عملی سے کرنول اور حیدرآباد کی حکومتوں میں ایک طرف پھوٹ ڈال سکیں تو دوسری طرف میسور میں پھوٹ ڈالیں۔ اور میدان ہموار کرسکیں۔ اننت پور کے باشندے چھوٹی موٹی انگریز حکومت کی نوکریاں کرتے اور اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ آزادی کے بعد یہ ضلع تعلیمی میدان میں ترقی تو کرسکا۔ مگر دوسرے شعبوں میں ترقی صفر کے برابر رہی۔ ہاں تعلیمی میدان یہ ضلع ۱۹۴۷ء کے بعد رائل سیما میں سرفہرست ہے۔ اسی تعلیمی ترقی کی وجہ سے اردو ادبی مراکز میں اننت پور اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اور ان چالیس سالوں میں شعروشاعری کا ذوق انتہائی ترقی کی راہ پر گامزن

ہے۔کدری سے تعلق رکھنے والے شعراء وادبا میں، پروفیسر مظفر علی شہ میری، ڈاکٹر محمود اشفاق اور ابھرتے ہوئے شعراء میں عارف امینی، اقبال قریشی اور نزہت نوشین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔عارف امینی اور اقبال قریشی نے کئی بین ریاستی مشاعرے پڑھے ہیں۔نزہت نوشین کا کلام حیدرآباد کے اخباروں میں اکثر چھپتا رہتا ہے۔علاوہ ازیں یہاں کے طلبہ وطالبات میں بھی شعری ذوق پروان چڑھ رہا ہے۔

حواشی

۱۔صدیق احمد، کرنول میں شعروادب کی ترقی (مسودہ) ص۱۱

۲۔ایضاً ص۱۵

۳۔ڈاکٹر وحید کوثر، شاہ فی الحال، ص۳

۴۔صدیق احمد، کرنول میں شعروادب کی ترقی (مسودہ) ص۲۲

بابِ دوم

اردو میں صوفیانہ شاعری کی روایت

اردو میں صوفیانہ شاعری کی روایت

زیرِ نظر مقالہ صوفیانہ شاعری سے متعلق ہے۔اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ تصوّف اوراس کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالی جائے۔لہٰذا اس باب میں تصوف کے متعلق چند اہم چیزوں کی وضاحتیں کی گئی ہیں۔جیسے تصوف کیا ہے؟ تصوف کے سلسلے میں مختلف محققین کے آراء کیا ہیں وغیرہ۔

تصوف کے لغوی معنی پشمینہ پہننا کے ہیں۔اصطلاحی معنی علم معرفت کے ہیں۔دل سے خواہشوں کو دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا اور تزکیۂ نفس کا طریقہ۔حقیقت میں تصوف قرآن کے حکم کے مطابق پیغمبر حضرت محمدﷺ کی عملی زندگی کے ذریعہ اپنائے گئے اس عمل کا نام ہے جس کے مطابق نبی کے پاکیزہ کردار اور شیریں اخلاق کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا نیز تزکیۂ نفس کے مطابق اپنی روح کو پاک کرنا اور نفس امّارہ کے اثر سے نجات پانے کا نام ہے۔دراصل تصوف کا لفظ صوف سے ہے۔جس کے معنی اون کے ہیں۔چونکہ صوفیاء کرام عام لوگوں کے برعکس قیمتی لباس سے احتراز کرتے تھے اور اون کا لباس ان کے لئے کافی تھا اس لئے ان کو یہ لقب ملا۔تصوف کی دوسری تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ پاکی وصفائی صوفیاء کرام کی شناخت تھی، پاکی سے مراد جسمانی پاکی ہی نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی بھی ہے۔یہی دل کی پاکیزگی صوفیاء کرام کی زندگی کا منشا و مقصد تھا۔یہاں تک کہ صوفیاء کرام اپنے مریدوں کو بھی تزکیۂ نفس کی تلقین کیا کرتے تھے۔اس لئے ان پاک ہستیوں کو صوفی کہنے لگے۔ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن نے اپنی تصنیف ''تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک'' میں صوفی کے متعلق لکھا ہے:

''صفا: اس کا مطلب ہے پاکیزگی، یعنی روحانی پاکیزگی، یعنی جو لوگ پاکیزگی اور روحانی صفائی پر زیادہ زور دیتے تھے انہیں صوفی کہا گیا۔

اہلِ صفا: وہ لوگ جو نبیﷺ کے زمانے میں مسجدِ نبوی میں ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے، انہیں صوفی کہا گیا۔

صف: صف کہتے ہیں قطار کو۔چونکہ یہ لوگ نماز کے اوقات میں ہمیشہ اگلی صف میں ہوتے تھے، لہٰذا ان کو صوفی کہا جانے لگا۔

صوف: اس کا مطلب ہوتا ہے ''اون'' عرب اور ایران میں کچھ لوگ

ایسے تھے، جو ہر وقت اون کے لباس پہنے رہتے تھے۔انہیں صوفی کہا گیا۔'' ۱

ماہرینِ لغت کا ماننا ہے کہ تصوف کا لفظ مشتق نہیں بلکہ جامد ہے۔ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن امام قشیری کے حوالے سے اپنی تصنیف ''تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک'' میں لکھتے ہیں:

''امام قشیری نے اپنی ایک تحقیق پیش کی ہے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے بعدان کے قریب رہنے والوں کو'صحابہ' کہا گیا اور صحابہ کے رابطے میں اور قریب رہنے والوں کو تابعین کہا گیا۔اس کے بعد کے لوگوں کو تبع تابعین۔اس کے بعد لوگ مختلف فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔ان مختلف فرقوں میں جن کا دھیان (مذہب) کی طرف زیادہ تھا۔انھیں زاہد اور عابد کے نام سے پکارا گیا۔لیکن جب بدعات پیدا ہوئی اور مختلف طرح کی بدعتیں معاشرے میں جڑ پکڑنے لگیں، ایسی صورت حال میں جس فرقہ میں تقویٰ (خدا سے خوف) زیادہ تھا انہیں ہی اہل سنت یعنی صوفی کہا گیا۔'' ۲

تصوف کے سلسلے میں محققیں کے آراء: حضرت جنید بغدادی سے رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: تصوف یہ ہے کہ آپ بلا تعلق غیر، اللہ کے ساتھ ہو جائیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تصوف کا مطلب ہے: حقائق اپنا لینا اور مخلوق کی چیزوں سے مایوس ہو جانا۔اس لئے جس کے پاس فقر نہ ہو وہ صوفی بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری تصوف کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

''تصوف نہ اسم ہے، نہ علم ہے۔اگر اسم ہوتا تو مجاہدے سے، اور اگر علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا۔تخلق باخلاق اللہ۔اللہ کی عادت سے عادت اختیار کرو۔'' ۳

ڈاکٹر میر ولی الدین نے اپنی تصنیف ''اسلامی تصوف'' میں تصوف کے متعلق شیخ الاسلام حضرت ذکریا انصاری کا یہ قول نقل کیا ہے:

''تصوف وہ علم ہے جس سے نفس کی صفائی، اخلاق کی

تعمیر اور ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے۔'' ۴؎

تصوف کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ تزکیہ،

دوسرا درجہ اخلاق،

تیسرا درجہ احسان

تصوف احسان کا قرآنی اور حدیثی نام ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی کئی دلیلیں مل سکتی ہیں۔ متعدد آیات کریمہ میں بھی احسان اور محسنین کا ذکر خیر آیا ہے۔ صوفیاء نے اپنے ہر فعل اور عمل کو قرآن اور حدیث میں موجود ہدایات کے مطابق ہی کئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حدیث ہے:

الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن فانه يراك

ترجمہ: اللہ کی عبادت اس طرح سے یعنی یہ سمجھ کر کرنی چاہئے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن ہم رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص انتہائی سفید و شفاف لباس میں ملبوس اور بہت ہی سیاہ بالوں والا جس پر سفر کا اثر نظر آتا تھا اور وہ ہم لوگوں کے لئے اجنبی تھا حاضر خدمت ہوا اور رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے زانوئے مبارک سے اپنے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی وانوں رکھ لیں اور پھر عرض گزار ہوا: ''یا محمد مجھ کو اسلام کے بارے میں بتائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، اگر اس تک جانے کی تم میں استطاعت ہو۔ اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی حدیث

کا بیان ہے کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ آپ ﷺ سے سوال بھی کرتا ہے اور آپ ﷺ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے پوچھا: اب مجھے ایمان کے بارے میں بتائے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور تقدیر پر، اس کے خیر و شر پر ایمان لاؤ۔ اس شخص نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا: اب مجھے احسان کے بارے میں خبر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن تم اگر اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھتا ہی ہے۔،، اس حدیث جبرئیل میں اس کے بعد قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال و جواب ہے۔ پھر اس شخص نے مجلس سے چلا جانے کا ذکر ہے۔ پھر یہ فرمان ملتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ وہ سائل حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہارے پاس آئے تھے تا کہ تم کو تمہارا دین سکھائیں۔،، ۵

تصوف کی ان تعریفوں کو سمجھنے کے بعد اب ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہندوستان میں صوفیاء کرام کی آمد کب ہوئی اور یہاں تصوف کے علم کو کس طرح ان حضرات نے عام لوگوں تک پہنچایا۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ مسلمانوں کے حملے اور ان کی فتح کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن اپنی تصنیف ''تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک،، میں لکھتے ہیں:

''صوفیاء کی آمد سب سے پہلے سندھ اور ملتان میں ہوئی، اس کے بعد لاہور صوفیاء کا اہم مرکز بنا۔ تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں آنے والے پہلے صوفی شیخ ابوعلی السندھی آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ میں آئے۔ اس کے بعد شیخ اسماعیل لاہوری، جو محمود غزنوی کے دور میں ۱۰۰۵ عیسوی میں لاہور آئے۔ ان کے آنے کے بعد لاہور میں صوفیاء اور علماء کی آمد کا سلسلہ شروع

ہوگیا۔ سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر فتح کی مہم کے دوران ہی شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے پنجاب میں آکر مذہبِ اسلام کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کردیا تھا،لیکن کچھ وقت کے بعدانھوں نے لاہورکو اپنا مرکز بنایا۔جس وقت وہ لاہورآئے اس وقت تصوف اپنے دوسرے دور میں داخل ہو چکا تھا۔شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش نے تصوف کےفروغ کے لئے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے چند کے نام ہیں۔''کشف المحجوب'،'کشف الاسرار منہاج الدین'۔'' ۶

خواجہ معین الدین چشتیؒ سے پہلے ہی ہندوستان میں صوفیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھااور یہاں پراسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔لیکن ہندوستان میں پختہ اور منظّم طریقے سے کام کرنے کا سہرا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو ہی نصیب ہوا۔انھوں نےمحمود غوری کے فتح کے ساتھ ہی اپنا کام منظّم طریقے سے کرنا شروع کردیااور ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے ہندوستان میں ۱۸ویں صدی عیسوی تک اپنے عروج پرپہنچ کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کے پیغام کوعوام تک پہنچانے کا کام مکمل کردیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ہندوستان میں آمد سے پہلے یہاں کے سیاسی وسماجی حالات بہت ابتر تھے۔بادشاہ سےعوام کا دور دور تک تعلق نہ تھا۔بادشاہوں کے سر پر دولت اوراقتدار کا جنون چڑھا ہوا تھا۔ایک ریاست دوسری ریاست پر حملہ آور تھی۔لوٹ مار اور عدم تحفظ کا احساس پورے سماج کے ذہن ودماغ پر چھایا ہوا تھا۔چھوت چھات،ذات پات کا فرق پورے ہندوستانی معاشرے کی شناخت بن چکا تھا۔ایسے حالات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر تشریف لائے۔آپ کے بہتر سلوک،کراماتی زندگی اور دین اسلام کی انسان دوستی ،احترام ومساوات کی تعلیم نے ہندوستانی معاشرے پر جادو کی طرح اثر ڈالا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ہندوستانی معاشرہ جو سماجی نابرابری سے متاثر ہوکر نہایت ابتر حالت میں تھا، دین اسلام قبول کرتا چلا گیا۔اس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے غیر انسانی حرکات سے متاثر معاشرے کوانسانیت پر مبنی باوقار زندگی جینے کا موقع فراہم کیا۔اس

طرح صوفیاء کرام نے دین اسلام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلایا۔ یہاں چند اہم صوفیاء کرام کے نام پیش کئے جاتے ہیں جنھوں نے صوفیانہ تعلیمات کو پھیلانے میں کوشش کی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی وغیرہ۔ برصغیر ہندو پاک میں صوفیاء کرام کے متعدد خانودے موجود ہیں جو تبلیغی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان میں چند مشہور سلاسل حسبِ ذیل ہیں:

ا۔ سلسلۂ قادریہ

۲۔ سلسلۂ چشتیہ

۳۔ سلسلۂ سہروردیہ

۴۔ سلسلۂ نقشبندیہ

۵۔ سلسلۂ شطّاریہ

اردو کا آغاز وارتقاء فقہ وتصوف وغیرہ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے اس زبان میں داستانیں، مثنویاں بھی لکھی گئیں۔ گیارہویں صدی ہجری اور بارہویں صدی ہجری تک آتے آتے اس زبان میں مختلف اصناف نے جنم لیا۔ اس کے باوجود اسی عہد میں دکن کے مختلف علاقوں میں صوفیاء نے اس زبان میں تعلیم وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور فقہ وتصوف پر بہت سی تصانیف بھی لکھی۔

تصوف کے عناصر ذکر وفکر کے راستے سے شاعری میں فروغ پاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تصوف کے تعلق سے دیکھا جائے تو شعر گوئی کا معاملہ ایک طرح سے نصاب شاعری کی تکمیل سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ شاعری کی ابتداء ہی سے بیشتر شعرائے اردو نے تصوف اور متصوفیانہ خیالات کا التزام کیا، صوفیانہ موضوعات کی پابندی اپنے لئے ضروری قرار دی، تاکہ اس میں اشاریت وایمائیت سے کام لیا جاسکے اور شاعری میں بالخصوص غزل میں' صراحت ووضاحت کے بجائے اشاروں اور کنایوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانہ تک کہا جاتا تھا.... ''تصوف برائے شعر گفتن خوب است''، لیکن اس کے برخلاف حقیقی صوفی شعراء کے ہاں تصوف کے مضامین، خیالات اور موضوعات آورد نہیں بلکہ آمد ہوا کرتے تھے۔ فی الواقع صوفی شاعروں نے جو اربابِ قلب ونظر تھے اپنے کلام میں

اس خلوص کا اظہار کیا جو خود شناسی اور خدا شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔

شعر وادب میں تصوف کے داخل ہونے کے بارے میں جب ہم غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تصوف رسم پرستی، ظاہر بینی اور دین کے دعوے داروں اور ان کے زیر اثر حکومتوں کے استبداد و استحصال کے خلاف ایک باغیانہ تحریک ہے۔تاہم ایسے خوش آمد پسندی کے دور میں اہل اللہ صوفیائے کرام حق و صداقت کی حفاظت کی اور اپنی جان پر کھیل کر تمام انسانوں کو علم وعمل کی دعوت دی۔آدابِ زندگی سکھائے۔حق و باطل کی تمیز سے آگاہ کیا۔انسانوں کے دلوں سے دنیا ومافیہا کی محبت کو نکال کر اس میں خدا کی محبت کو بھر دیا اور یوں وہ دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہوئے۔یہی وہ راستہ تھا جس پر چل کر شعراء نے تصوف کے علم کو پروان چڑھایا۔یوں تو اس کا اثر تمام شاعروں پر پڑا لیکن اس ہجوم میں ایسے شاعروں کی تعداد زیادہ نہیں جنھوں نے فی الواقع تصوف کو اپنی فکر کی جولانگاہ بنایا اور علم تصوف سے اپنے کلام کو آراستہ کیا۔بہرحال ایرانی شعراء تصوف سے متاثر تھے یہاں تک کہ ان میں بعض کا شمار بڑے برگزیدہ صوفیوں میں ہوتا ہے۔جیسے عطاؔر، رومؔی، سنائؔی، جامؔی، شیرازؔی اور سعدی وغیرہ۔ایرانی شعراء کی طرح اردو کے شاعروں میں بھی ایک وافر حصّہ صاحبِ سلسلہ وخانقاہ صوفیوں کا ہے یہی وجہ ہے کہ فارسی غزل کی طرح اردو غزل بھی بہ واسطہ اور بے واسطہ تصوف سے متاثر رہی ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ موضوع کے لحاظ سے اس باب میں اردو کے صوفی شعراء کے حالات لکھنے کے بجائے ان کے کلام میں مستعمل تصوف کے ان الفاظ واصطلاحات پر روشنی ڈالی جائے جو اردو شاعری میں مشہور ہیں۔اردو شعراء کو دو گرہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔پہلے گروہ میں وہ شعراء ہیں جو اپنے مسلک، حال ومقام کے اعتبار سے صوفی تھے اور شاعری میں بھی انھوں نے تصوف کے مسائل ہی بیان کئے دوسرے گروہ کی ذیل میں وہ شعراء آتے ہیں خواہ مسلک، حال اور مقام کے اعتبار سے صوفی نہ تھے۔مگر ان کی شاعری میں صوفیانہ مضامین اور مسائلِ تصوف پائے جاتے ہیں۔تصوف کا عنصر ہر انسان کی ذات میں موجود رہتا ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنی ذات پر دوسروں کی ذات کو ترجیح دینا ہی دراصل تصوف ہے۔تصوف غزل سے ایسا ہم آہنگ ہے کہ ہر غزل گو کے کلام میں تھوڑی بہت تصوف کی چاشنی موجود ہے۔تصوف نے اردو غزل کو جذبات اور اظہارِ زبان کی آزادی عطا کی ہے۔اس کے علاوہ

حکیمانہ عناصر اور مفکرانہ خیالات کے سبب غزل کو گہرائی و گیرائی بھی نصیب ہوئی۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نظریات حسن وعشق کو بالیدگی بھی ملی اور زبان ورجحان کی وسعت،تہہ داری اور رمزیت بھی اسی کی دین ہے۔یعنی ہر موضوع رمز و کنایہ کے ساتھ خاص طور پر مناسبت رکھتا ہے۔

تصوف نے زبانِ اردو کے شعراء کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے۔قدیم دکنی شعراء سے لے کر شعرائے عصر حاضر تک تقریباً تمام اساتذہ سخن گلستان تصوف کے رنگ و بو میں مست رہے اوراس کے خیابانوں کی آبیاری کی۔ ہر دور میں شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کے زیرِ اثر رہے۔اردو کا سرمایۂ سخن مسائلِ تصوف کے زروگوہر سے گراں بار ہے۔اردو کے اولین شاعروں میں ولؔی اور میر تقی میؔر جیسے اساتذہ کے کلام کا وافر حصّہ مجازی عشق پر منحصر ہونے کے باوجود کہیں کہیں ان کے اشعار میں بھی تصوف کا رنگ صاف طور پر نظر آتا ہے۔اسی کی تقلید مابعد شاعروں نے کی اور یہ سلسلہ چل پڑا۔جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ غزل کی زبان اور اسلوب تصوف کے اسرار اور رموز کو بیان کرنے کے لئے خاص طور پر موزوں ومناسب معلوم ہوتا ہے۔مجازی شعر کے معاملات کی طرح عشقِ حقیقی کی کیفیتیں بھی تفصیل وصراحت کی متحمل ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ غزل میں تصوف کے مضامین بڑی خوبی کے ساتھ ادا ہوئے۔

اردو شاعروں میں بالخصوص غزل گو شعراء میں دردؔ کا کلام عشقِ حقیقی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ان کے بیشتر کلام پر ایک متصوفانہ رنگ چھایا ہوا ہے۔آپ کا کلام دیگر شعراء کے کلام سے مختلف ہے۔اگر چہ ان کا دیوان اردو بہت مختصر ہے پھر بھی وہ اردو کے بڑے صوفی شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ان کے کلام میں شاہد حقیقی کے ساتھ ساتھ کے کلام میں شاہد مجازی کے حسن کی جھلکیاں بھی نظر کو متوجہ کر لیتی ہیں۔فَأَيْنَمَا تولّوا فَثَمّ وَجهُ اللّٰهِ کے مضمون کو کس خوبی سے شعر میں باندھا ہے۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا　　　توہی آیا نظر جدھر دیکھا!

دردؔ کے کلام میں ایک خاص رنگ اور انفرادیت ہے۔ بقول رام بابو سکسینہ کے خواجہ میر دردؔ کے ہر شعر میں معشوق سے مراد معشوقِ حقیقی یا مرشد ہے۔انھوں نے اپنے روحانی تجربوں کو نرم اور ملائم سروں میں بیان کیا ہے جو ان کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے۔خواجہ میر دردؔ کے کلام میں تصوف تغزل کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ نظر آتا ہے۔دردؔ کی طرح غالبؔ کے کلام میں بھی جابجا صوفیانہ رنگ نظر آتا

ہے۔غالبؔ صوفیانہ مضامین کو نہایت نزاکت اور لطافت کے ساتھ باندھا ہے۔تصوف کے مسائل پر غالبؔ نے بھی گہری نظر ڈالی ہے اور اس کو جس خوبی سے پیش کیا ہے اس سے ان کی بلند فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔وحدۃ الوجود پر غالبؔ پختہ عقیدہ رکھتے تھے۔اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

ہر چند ہر ایک شئے میں تو ہے ؎

پر تجھ سے تو کوئی چیز نہیں ہے

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز ؎

پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

غالبؔ کے کلام میں تمثیلی جھلک نظر آتی ہے یعنی ان کے کلام میں مجاز اور حقیقت دونوں کا پرتو نظر آتا ہے۔غالبؔ کی شخصیت کی طرح ان کے کلام میں بھی بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔غالبؔ کے بعد بھی اردو کے شعراء نے غزل میں تصوف کے نکات اور مسائل بیان کرتے آئے ہیں۔جیسے اصغر گونڈوی، فانی بدایونی اور جگر مرادآبادی تصوف کے دلدادہ رہے ہیں۔شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کے کلام میں بھی تصوف کی ہلکی ہلکی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔کہیں کہیں علامہ اقبالؔ کی شاعری میں ایک طرح کا تضاد بھی دیکھا دیتا ہے۔جب ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کہیں تو صوفیوں کو اپنا رہبر بناتے ہیں تو کہیں تصوف کے بعض نظریاتی اور عملی پہلوؤں کی تلقین کرتے ہیں اور کہیں تصوف اور صوفی کو مسلمانوں کی تباہی کا سبب قرار دیتے ہیں۔

اردو شعراء نے تصوف کی اصطلاحات کو اپنی شاعری میں کثرت سے استعمال کیا ہے۔تصوف کی اصطلات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ایک علمی اصطلاحات اور دوسری شاعرانہ اصطلاحات۔ احدیت، وحدیت، واحدیت، برزخ، عروج، نزول، اصطلاحات۔احدیت، وحدیت، واحدیت، برزخ، عروج، نزول، وجود، وحدت الوجود، وحدت الشہو د، ہمہ اوست، شہود، تجدِ دِ امثال، سکر وصحو، قبض وبسط، اعیان، اسمِ اعظم، الہام، تجلی، تعین، جبروت، جمال، جلال، حقیقت، حال، ذکر، سالک، شریعت، طریقت، ظہور، عرفان، عارف، عینیت، غیریت، غیب الغیب، کفر، کشف، غفلت، لاھوت، لامکاں، مشاہدہ، ملکوت، معرفت، مراقبہ، وصال، ناسوت، منازل، مقام، واجب، اور ھائے وھو وغیرہ تصوف کی علمی اصطلاحات

کی مثالیں ہیں۔

قد، قامت، لب، رخسار، بادہ، ساقی، دہن، زلف، خال، ابرو، ساغر، بنجارہ، پردہ، آئینہ، ایاغ، پیمانہ، جام، حرم، چشمۂ حیواں، دل، قلب، پیر مغاں، پیر خرابات، جنون، رند، دارورسن، زنداں، صنم کدہ، شراب الست، قلندر، گنجِ مخفی، میخانہ، نشہ، مستی، کافر، مئے، یار، دلبر، محبوب، صنم، خالِ سیاہ، کفر، دیر، وصل اور ساغر و پیمانہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔شاعرانہ اصطلاحات ہیں۔ جو اردو کے صوفی شعراء نے اپنے اشعار میں استعمال کی ہیں۔

اردو شعراء کے کلام میں صوفیانہ اشارات:

دل، قلب:

قلب دراصل' جوہرِ نورانی اور لطیفہء روحانی ہے جو خواہشاتِ نفسانی و دنیوی اور ہوا و ہوس سے پاک و پاکیزہ ہوتا ہے۔ جب تک وہ آلودہ رہتا ہے دل نہیں کہلاتا۔ صرف گوشت و خون کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ جس کا عمل صرف حرکت کرنا ہے۔ گندگی و نجاست سے پاک ہو کر نورِ ایمانی اور عشقِ حقیقی سے منور ہو جاتا ہے تو دل کہلاتا ہے۔ صوفیاء کا خیال ہے کہ جس قدر مکاشفات ہوتے اور وارداتیں گزرتی ہیں اور جو انوار جلوہ گر ہوتے ہیں سب دل کی بدولت ہیں۔ دل خانہء خدا ہے۔ اس کی اہمیت کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ (بحوالہ: سوانح مولوی روم صفحہ نمبر ۷۳۔۷۴)

؎ عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکہ اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانہء دل (علامہ اقبالؔ)

؎ او دل کہ جو عرش ہے خدا کا
منظور نظر ہے مصطفیٰ کا (بحرؔی)

دارورسن:

وہ سزا جو عاشقانِ حقیقی کو ملتی ہے، آزمائش، شہادت حق۔

؎ قصّۂ دارورسن بازیٔ طفلانِ دل

التجائے ارنی سرخیٔ افسانۂ دل (علامہ اقبالؔ)

آئینہ:

کائیناتِ مادّی جس میں ذات خداوندی کا حسن و جمال منعکس ہوتا ہے اور جس میں ذات باری اپنا آپ مشاہدہ کرتی ہے۔

ے یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے اس یارِ خود نما کا (میرؔ)

ایاغ، پیمانہ، جام:

دلِ عاشقا۔ دلِ حق آشنا... بقولِ اقبال:

ے اہلِ دانش علم ہیں کم یاب ہیں اہلِ نظر کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ!

پردہ۔ حجاب۔ نقاب:

جو معشوقِ حقیقی اور عاشق کے درمیان حائل ہو۔ جیسے جہانِ مادّی، وجودِ انسانی، جسم، محدودیتِ فکر و نظر، خواہشاتِ نفسانی۔

ے کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے (غالبؔ)

ے حجابِ رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا (خواجہ میر دردؔ)

ے حجاب نے انھیں رکھا حجاب میں ورنہ
جب آتے سامنے اپنا ہی سامنا کرتے (جگرؔ مرادآبادی)

بادہ۔ شراب۔ مئے:

عرفان اور عشقِ حقیقی جو سالک کے دل پر اس طرح وارد ہو کہ اسے مست و بے خود کر دے۔

(اصطلاحاتِ صوفیاء)

ے پلادے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز (علامہ اقبالؔ)

پیرِ مغاں۔پیرِ خرابات:

مرشدِ کامل، ہادی برحق

ے ہے ایک درِ پیرِ مغاں تک تو رسائی
ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا (حسرتؔ)

ے مرید پیرِ خرابات یوں نہ ہوتے میرؔ
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم (میرؔ)

جنون۔ایمان۔وجدان:

ے خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر (علامہ اقبالؔ)

صنم کدہ۔بت کدہ:

کائناتِ مادّی، عالمِ کثرت

ے یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ (علامہ اقبالؔ)

قلندر:

وہ فقیر جو عشقِ حقیقی میں ہر چیز سے بے پروا ہو جاتا ہے۔صرف خدا سے لو لگاتا اور اس کا ہو جاتا ہے۔وہ عارف جو مرتبۂ تکلیف سے گزر جاتا ہے۔

ے اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

(علامہ اقبالؔ)

زنداں:

جسم مادّی، قفسِ عنصری، دنیا، حیاتِ دنیوی۔

ے جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا
تنگ احوال ہے اس یوسفِ زندانی کا (میرؔ)

ساقی:

مرشد کامل، عارفِ اسرار، شرابِ معرفت پلانے والا۔

ے چشمِ کرم ساقیا دیر سے ہیں منتظر
جلوتیون کے سبو خلوتیون کے کدو (علامہ اقبالؔ)

حرم:

دین، ایمان، عقیدہ، شریعت، اسلامی تہذیب، مسلم قوم۔

ے یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (علامہ اقبالؔ)

گنجِ مخفی:

مرتبۂ احدیت ذات۔

ے نکل گنجِ مخفی سوں خلوت کے بہار
کیا جلوہ کر کثرتِ بے شمار (وجدیؔ)

ے کہیں گنجِ مخفی ہو پنہاں ہوا
کہیں ہو کے ظاہر درخشاں ہوا (سراجؔ اورنگ آبادی)

میخانہ۔شراب خانہ۔میکدہ:

وہ جگہ جہاں عشقِ حقیقی اور معرفتِ حق تعالیٰ میں ڈوبے ہوئے اشخاص مل بیٹھتے ہیں۔

ے مسجد میں تو پوچھتا نہیں کوئی اسے

میخانے میں دیکھنا مقام امجد (امجد حیدرآبادی)

؎ تیرا میکدہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی
مرا نشہ کیوں اترتا مجھے کیوں خمار ہوتا (امیر مینائی)

نشہ:

عشقِ حقیقی، شدت طلب۔

؎ مسجد میں مئے کدے میں مجھے نشہ لے گیا
موجِ شراب جادہ تھی راہِ ثواب کا (حیدر علی آتش)

صوفیانہ اصطلاحات:

الہام:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات عارف اور سالک کے دل میں ڈالی جائے۔

؎ ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز (علامہ اقبال)

اعیان:

تخلیق کائینات سے پہلے اشیائے عالم کا علم اور حقائق اشیا جو خالق کائنات کو معلوم تھے جن کو معلوم الہیہ اور صور علمیہ بھی کہتے ہیں۔

؎ ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا (خواجہ میر درد)

جوہر و عرض:

ممکن کا وجود بالعرض ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر آن اور ہر لحظہ وجود بالذات کا محتاج ہے۔ کیوں کہ وہ قیوم ہے جو وہ ممکن ہے جو مستقل ہوتا ہے اور کسی محل یا موضوع میں نہیں پایا جاتا یہ خیال حکما کا ہے۔ صوفیاء کے پاس سوائے وجود کے کوئی شئے مستقل نہیں۔ جن کو حکماء جوہر سمجھتے ہیں وہ بھی وجود کے اعراض یا صفات یا مظاہر ہیں۔ (بحوالہ: حکمتِ اسلامیہ، ص ۳۰)

ے حقیقت تیری اصلِ جوہر و اعراضِ عالم ہے
تو پنہاں سب سے ہے، پر سب سے ملتا ہے پتہ تیرا (توفیق)

سالک:

سالک، وہ ہے جو راہِ سلوک اختیار کرے۔ سلوک کے لغوی معنی نیک سوئی یا نیک چال چلنا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک خدا کی قربت ڈھونڈنے کے طریقے کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے چند ضروری شرطیں ہیں۔ ۱۔ طلب حق، ۲۔ طلبِ مرشد کامل، ۳۔ ادب، ۴۔ رضا، ۵۔ محبت اور ترک فضول، ۶۔ تقویٰ ۷۔ استقامت شریعت، ۸۔ کم کھانا اور کم سونا، ۹۔ لوگوں سے کنارہ کش ہونا، ۱۰۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا، ان کے علاوہ اور بھی چند شرطیں ہیں۔ جیسے توبہ، قناعت، صبر، صدق، تفکر، معرفت، شکر، کسی کو دکھ نہ دینا، ہر ایک سے محبت رکھنا، اپنے آپ کو حقیر اور کمتر سمجھنا، تواضع، عجز و نیاز اور سوز و گداز۔ سالک کے لئے صوفیاء کرام ضروری بتاتے ہیں کہ وہ شریعت کے ساتھ راہِ سلوک میں قدم رکھے ورنہ بغیر اس کے جہالت و ہلاکت ہے۔ شریعت سیطریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اگر سالک شریعت سے واقف نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ سالک کا عارف ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ بغیر علم کے اس راستے پر چلنا چاہے تو کافر ہو جاتا ہے یا پاگل۔ (بحوالہ: بزمِ صوفیاء۔ ص ۶، ۶۱، ۳۹۲)

ے سالک بہر طریق بدن ہے وبال جان
یہ بوجھ تیرے ساتھ جو ہے اس کو ٹال چل (میر تقی میر)

ے دید دنیا ہے رہ عشق میں سالک کو حرام
خوب ہے قطع نظر قطع منازل کے لئے (اکبر الہ آبادی)

جمال:

معشوقِ حقیقی کا اپنے کمالات کو ظاہر کرنا اور اپنی طرف راغب کرنا۔(اصطلاحاتِ صوفیاء)

جلال:

اللہ تعالیٰ کا اپنی عظمت و بزرگی اور قہاری کو ظاہر کرنا۔

ے شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقیر جنید و بایزید تیرا جمال بے حجاب (علامہ اقبالؔ)

ے تاب نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے
شانِ جمال بھی دکھا شانِ جمال رہ نہ جائے (فانیؔ)

تجلی:

ذاتِ حق کا ظہور کے لئے مرتبہ احدیت سے تنزل فرمانا اور لباس تعین پہننا۔(اصطلاحاتِ صوفیہ)

ے مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیان کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زبان کا (سوداؔ)

ے ہے تجلی تیری سامانِ وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہیں (غالبؔ)

طریقت:

اوامر و نواہی کی تحقیق و تفحص اور ان کی روشنی میں ضمیر کی صفائی۔اخلاق کی تطہیر اور تزکیہ نفس کرنا، صوفیہ کے نزدیک شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے۔مثلاً نماز قبلہ رو ہو کر پڑھنا شریعت ہے اور نماز میں خدا سے دل لگانا طریقت ہے۔نماز کی جگہ نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے اور دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے۔(بزمِ صوفیہ۔ص۳۹۲)

ے کعبہ کا کروں طواف کہ بتخانے کو جاؤں کیا حکم ہے مجھے
ارشاد میرے حق میں بھی کچھ ہو جائے گا کیا اے پیر طریقت (انشاؔء)

حقیقت:

شریعت اور طریقت کے منازل طئے کرنے کے بعد انسان حقیقت تک پہنچتا ہے۔ علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ ا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم، ۲۔ خداوندے تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم، ۳۔ اس کے فعل اور حکمت کا علم۔ (بزمِ صوفیہ۔ ص ۳۹۲،۳۹۳)

ے حقیقت کے دریا میں غواص کر
اپس معرفت میں مجھے خاص کر (سراؔج)

معرفت:

معتزلہ کا خیال تھا کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے۔ علی ہجویری نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ معرفت اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہو۔ عقل و دلیل معرفت کا ذریعہ ہوسکتی ہے، مگر علت نہیں۔ علت' صرف خدا کی عنایت ہے۔ عبداللہ بن مبارک کا خیال ہے کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو۔ کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو۔ خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے تو عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو۔ (بحوالہ: بزمِ صوفیہ۔ ص ۲۷،۲۸)

ے شرابِ معرفت پی کر جو کوئی مجذوب ہوتا ہے
در و دیوار اس کوں مظہر محبوب ہوتا ہے (سراؔج)

غیب الغیب۔ غیب غیب:

مرتبۂ احدیت ذات جو عقل و ادراک و بصیرت سے ماورا ہے۔

ے ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں (غالؔب)

منازل:

سلوک کے مقامات ومدارج

ے دید دنیا ہے رہ عشق میں سالک کو مضر
خوب ہے قطع نظر قطع منازل کے لئے (اکبرؔ)

وصال:

اللہ تعالیٰ کا قرب، فنائیت

ے عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب (علامہ اقبالؔ)

کفر:

عشقِ حقیقی میں اس قدر مست و مدہوش ہونا کہ عالم سکر ومحویت میں احکام دین کی پابندی نہ ہو سکے۔ اہل شریعت کے نزدیک کفر ہے۔

ے وہ کچھ سہی نہ سہی پھر بھی ناصح ناداں
بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی (جگرؔ)

واجب:

جو اپنے ہونے میں دوسرے کا محتاج نہ ہو یعنی ذات باری تعالیٰ۔

ے واجب سے ظہور شکل امکانی ہے
وحدت میں دوئی کا وہم نادانی ہے (امجدؔ حیدرآبادی)

ظہور:

کسی سابق موجود شئے کا کسی عالم یا کسی مقام میں ظاہر ہونا۔ معشوق حقیقی کے انوار جن کا مشاہدہ کیا جا سکے۔ (بحوالہ: حکمتِ اسلامیہ۔ ص۲)

ؔ ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہِ طور کا (سوداؔ)

ھائے وھو:

غلبۂ عشق حقیقی میں نالہ وفریاد کرنا۔

ؔ گرمئی آرزو فراق شورش ھائے وھو فراق
موج کی جستجو فراق قطرے کی آبرو فراق (علامہ اقبالؔ)

ان چند مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو شاعری میں ، بالخصوص اردو غزل میں مضامینِ تصوف کے ساتھ ساتھ اصطلاحاتِ تصوف کا بھی خاصا استعمال ملتا ہے۔فی زمانہ اصطلاحاتِ تصوف کا استعمال تقریباً ناپید ہے، البتہ مضامینِ تصوف کی جھلکیاں آج بھی اکثر شعراء کے یہاں مل جاتی ہیں۔

حواشی

۱۔ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،

۲۔ایضاً

۳۔گلشن آبادی امام الدین، تاریخِ اولیاء جلد اول، ص ۱۷

۴۔ڈاکٹر میر ولی الدین، اسلامی تصوف، نامی پریس، حیدرآباد، ص ۸۲

۵۔حسن سعید چشتی، الاحسان، الہ آباد، ص ۶۲

۶۔ڈاکٹر محمد حفظ الرحمٰن، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،

بابِ سوم

رائل سیما میں
صوفیانہ شعروادب کی روایت

رائل سیما میں صوفیانہ شعروادب کی روایت

ہندوستان میں صوفیا صافیہ کے مختلف خاندان آباد ہیں۔جن کے آباواجداد نے تبلیغِ اسلام اور اصلاح وہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ان میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ،طبقاتیہ اورنقشبندیہ سبھی سلسلوں کے بزرگ شامل ہیں۔صوفیاء کرام مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔صوفیاء مہرو محبت،نرمی وملائمت ،فروتنی وخاکساری اورتقویٰ وپرہیزگاری شرف وبزرگی کا آئینہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ عوام کا ہجوم بادشاہوں کے درباروں سے زیادہ صوفیا کی خانقاہوں میں رہتا تھا۔اگرچہ بادشاہ جان ومال کا مالک ومحافظ ہوتا لیکن صوفیا کا قبضہ عوام کے دلوں پر ہوتا تھا۔صوفیاباوجود اجنبی ماحول، وحشیانہ مخالفت کے اہلِ ملک وقوم کو دعوت اسلام پہنچانے میں اپنی ذات سے کسی قسم کا دریغ نہ کرتے اور صد ہزار صعوبتوں سے گزرکرعوام کے دلوں کے دریچوں تک پہنچتے تھے۔دلوں پر قبضہ کرنا ہوتو ہم زبانی شرط لازم ہے۔اس لئے صوفیاء کرام نے ہندوستان کے ہر خطے کی بولی اپنائی اوراپنے خیالات کوعوام تک پہنچانے کی حتی المقدورکوشش کی۔ان کے ہاں عام وخاص،امیروغریب اورذات پات کی کوئی تفریق یا بھید بھاؤ نہ تھا۔ان کی تعلیم وتلقین سبھی کے لئے یکساں تھی۔صوفیاءکرام عوام سے انھیں کی بولی میں گفتگوکرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے رہے۔اس لئے عوام ان کےقریب تر ہوتے گئے اوراسلام کےنور سے سرزمینِ ہند منور ہونے لگا۔اس سلسلے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے بہترین تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’یہی وجہ ہے کہ علماوامرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہوسکتا جوفقیر اوردرویش کر گزرتے ہیں۔بادشاہ کا دربارخاص ہوتاہے اورفقیر کادربار عام ہے۔جہاں بڑے چھوٹے‘ امیرغریب‘ عالم جاہل کا کوئی امتیازنہیں ہوتا۔بادشاہ جان ومال کا مالک ہے۔لیکن فقیر کاقبضہ دلوں پر ہوتاہے اوراس لئے ان کا اثر محدود ہوتاہے اوران کا بے پایاں۔اوریہی سبب ہے کہ درویش کووہ قوت واقتدار حاصل ہوجاتاہے کہ بڑے بڑے جبّاراورباجبروت

بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔'' [1]

ہندوستان میں جب صوفیاء کرام کی آمد ہوئی تو اس وقت یہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے واقف بھی نہ تھا۔ یہاں ان کے لئے ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی۔ ایسے ناموافق حالات میں سب سے پہلے صوفیاء کرام نے یہاں کی مقامی بولی کو اپنایا۔ دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبان کا ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ صوفیاء کرام عوام سے انھیں کی بولی میں گفتگو کرتے اور تعلیم وتلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے عوام ان کے قریب تر ہوتے گئے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ''اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام'' میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

> ''لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہمزبانی لازمی ہے۔ ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لئے کھلا تھا۔ بلاامتیاز ہر قوم وملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے۔ عام وخاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔ خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے۔ اس لئے تلقین کے لئے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تا کہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم وفاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا گر تھا اور صوفیاء اسے خوب سمجھتے تھے۔'' [2]

ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح آندھراپردیش میں بھی صوفیاء کرام کی آمد ہوئی اور یہاں کے مختلف خطوں میں انھوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تلقین کا فریضہ انجام دیا۔ علاقۂ رائل سیما، صوبۂ آندھراپردیش کا ایک اہم خطہ ہے اور یہ چار اضلاع پر مشتمل ہے، کرنول، کڑپہ، اننت پور اور چتّور۔ رائل سیما میں صوفیانہ شعر وادب کی روایت حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ سے وابستہ ہے۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری محمود بخاری کی تصنیف ''شہ میری اولیاء'' کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

''بیرونی ممالک سے ہندوستان تشریف لانے والے بے شمار اولیاء و صوفیاء میں سے حضرت مولانا جمال الدین بخاری بھی ایک ہیں۔آپ نے یہاں آکر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ کے خاندان میں شادی کی اور اپنے وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ کر ہندوستان ہی میں رچ بس گئے۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت سید جمال الدین بخاری کے پڑپوتے حضرت سید کمال الدین بخاری اول کو حضرت بندہ نواز گیسودرازؒ کی اولاد امجاد میں سے ایک بزرگ حضرت شاہ ہدایت اللہ سے نعمتِ باطنی حاصل ہوئی۔جو حضرت کمال الدین اور ان کے فرزند حضرت سید جمال الدین کے وسیلہ سے حضرت شہ میر اول کو ملتی ہے اور حضرت موصوف سے دکن کے مختلف علاقوں میں بشمول حیدرآباد یہ دولتِ ہدایت پہنچتی ہے۔'' ۳

خانوادۂ شہ میریہ کے بعض قلمی تصانیف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رائل سیما میں صوفیانہ شعروادب کی روایت حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ ہی سے وابستہ ہے۔حضرت جلال الدین اکملؔ فرزندِ حضرت شاہ کمال ثانی جامیؔ دکن کی تصنیف ''مقصودالسالکین'' کے اس اقتباس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رائل سیما کے صوفیاء نے جب تصنیف وتالیف کا آغاز کیا تھا تو ان کے سامنے حضرت میراں جی شمس العشاق، حضرت برہان الدین جانم اور حضرت امین الدین اعلیٰ کی ادبی روایتیں موجود تھیں۔ مقصودالسالکین کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''حضرت شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری والدِ ماجد حضرت امین الدین اعلیٰ قدس سرہٗ جو ہمارے پیروں کے پیر اور حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نوازؒ قدس سرہٗ کے سلسلہ اور خلفاء میں ہیں۔'' ۴

رائل سیما کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ رائل سیما صدیوں سے مختلف مذاہب، عقائد اور تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن نے رائل سیما پر اپنے گہرے نقوش مرتب کئے ہیں اور یہی اثر اردو زبان وادب پر بھی صاف نظر آتا ہے۔یہاں کئی صوفیاء کرام آرام فرما ہیں جن کا تعلق مختلف

آستانوں سے ہے۔مثلاً آستانۂ کمالیہ،آستانۂ شہ میریہ،آستانۂ لاابالی،آستانۂ مخدوم الٰہی اور آستانۂ بابا فخرالدین وغیرہ۔

رائل سیما میں شہ میریہ خانوادہ میں کئی علماء،شاعر،ادیب،صاحبِ تصنیف بزرگ گذرے ہیں، شہ میریہ خانوادہ بخارا سے نکل کر شمالی ہند،گلبرگہ، بیجاپور ہوتے ہوئے حیدرآباد،کرنول،کڑپہ،گرم کنڈہ پہنچا۔رائل سیما میں یہ خانوادہ تقریباً چارسوسال کی تاریخ رکھتا ہے۔اس خانوادہ میں جوصاحبِ تصانیف بزرگ گذرے ہیں وہ یہ ہیں حضرت شاہ میرؔ،حضرت شاہ نورؔ،حضرت شاہ کمالؔ،حضرت بیرنگؔ،حضرت سالکؔ،حضرت مقبلؔ،حضرت لامعؔ اور حضرت اکملؔ وغیرہ۔ان بزرگوں نے حقائق ومعارف کے ذریعہ تبلیغِ اسلام واحسان کی اہم خدمات انجام دیں۔

ان صوفیاءِ کرام کے علاوہ رائل سیما میں اور بھی کئی صاحبِ تصانیف بزرگ گذرے ہیں جن میں حضرت شاہ فی الحالؔ قادری،مولا مسکینؔ،سید قدرت اللہ قادری،سید شاہ طاہرؔ قادری،قادرلنگاؔ اورسید شاہ عبداللطیفؔ لاابالی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔مندرجہ ذیل تمام صوفیاءِ کرام کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی جائیگی اوران کے کلام کانمونہ بھی پیش کیا جائیگا۔

حضرت شاہ میرؔ

نام:

حضرت شاہ میرؔ حضرت سید شاہ جمال الدین کے لڑکے اور حضرت سید شاہ کمال اوّل کے پوتے تھے۔آپ کا اسمِ گرامی سید محمد حسینی اور لقب شاہ میر تھا۔آپ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ کی اولاد میں سے تھے۔شاہ میر کے بھائی شاہ نورؔ اللہ بخاری اپنی تصنیف ''تجلیِ انوار'' میں لکھتے ہیں ؎

حضرت سید محمد مرشد روشن ضمیر تاج سرسلطان کا اور قطبِ حق دوران کا

شاہ میرؔ کے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدین مصنف ''مخزن العرفان'' نے یوں لکھا ہے ؎

شکر خدا کا کمال الدین تو پایا کامل پیر دین ودنیا کے ولی حضرت سید محمد شاہ میر

حکیم محمود بخاری نے بھی آپ کا نام محمد حسینی ہی لکھا ہے۔ان کی تصنیف ''شہ میری اولیاء'' کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''اسم گرامی محمد حسینی عرف شاہ میر بادشاہ اول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' ۵

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ لکھتی ہیں:

''ان کا نام سید محمد حسینی اور لقب شاہ میر تھا۔والد کا نام سید شاہ جمال الدین تھا جو حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ کی اولاد سے تھے۔'' ٦

نصیرالدین ہاشمی کے الفاظ ملاحظہ ہو:

''شاہ میر دکن کے ایک صوفی بزرگ گذرے ہیں جو قادریہ اور حسینی طریقہ کی بیعت لیا کرتے تھے۔۔۔شاہ میر شاہ میاں کے لقب سے بھی موسوم تھے۔'' ۷

مندرجہ بالا تمام بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نام سید محمد حسینی تھا۔لیکن آپ نے اپنے تخلص شاہ میؔر کے نام سے شہرت پائی۔آج بھی دنیائے ادب اور خانقاہوں میں آپ شاہ میؔر ہی کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

تخلص:

حضرت سید محمد حسینی میؔر تخلص کیا کرتے تھے۔کہیں کہیں شاہ میؔر یا شہ میؔر بھی تخلص کے طور پر باندھا ہے۔ذیل کے اس شعر میں تخلص میؔر استعمال کیا ہے ؎

کر تلاوت رات دن اپنا وجود   با تدبر میؔر در ہر فصل و باب

(شاہ کمال۔کلماتِ کمالیہ۔ص۔۲۰۸)

شاہ میر نے اپنی رباعی میں اپنے مشہور نام کو بطور تخلص استعمال کیا ہے۔

شہ میر نہ کر فکر تو کچھ قوت کی واللہ
رازق تیرا قادر و قیوم ہے اللہ
چراہے جنے منہ کو تیرے ولے رزق نہ دے وے

''لا حول ولا قوۃ الا باللہ ''

ولادت:

ولادت ایک ہزار بیاسی ہجری (۱۰۸۲) میں ہوئی گویا علی عادل شاہ ثانی کے زمانے میں پیدا ہوئے۔سخاوت مرزا لکھتے ہیں:

> ''شاہ میؔر نے ایک سو پانچ سال کی طویل عمر پائی اور ۱۱۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔اس لحاظ سے آپ کی تاریخ ولادت ۱۰۸۱ھ قرار پائی ہے گویا آپ شاہ امین الدین علی اعلیٰ بیجاپوری کے وصال ۱۰۸۶ کے چند سال قبل سلطان سکندر عادل شاہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔'' ۸

مندرجہ بالاسطور میں حضرت شاہ میر کے سنہ ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ سخاوت مرزا اور حکیم بخاری کے بیانات کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔کیوں کہ اردو یا فارسی کے کسی مخطوطے یا تذکرے سے حضرت شاہ میر کی تاریخ ولادت اور مقام کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کسی داخلی یا خارجی شہادت سے ہمیں ان کی ولادت کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

تعلیم وتربیت:

حضرت شاہ میر کے اساتذہ کا پتہ نہیں چلتا۔چونکہ ان کے والد خود عالم تھے۔اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ والد کے سایہء عاطفت میں تعلیم حاصل کی ہوگی۔تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو علوم ظاہری اور باطنی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

خاندان:

حضرت شاہ میر ایک صوفی حاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے آباواجداد بھی صوفی اور باخدا تھے۔آپ کا سلسلہ نسب مختلف واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سے ملتا ہے۔سخاوت مرزا لکھتے ہیں:

> ''سید محمد شاہ میر حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے فرزند دلبر سید محمد اکبر المعروف بہ سید جلال الدین محمد اکبر کی اولاد سے ہیں۔'' ۹

ڈاکٹر سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

''سید محمد شاہ میر حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت بخاری کی اولاد سے تھے۔'' ۱۰؎

سید شاہ میر بن سید جمال الدین بن سید کمال الدین بن سید حسن صوفی بن سید علی حافظ بن سید عبدالرحمٰن بن سید حسن مخدوم عالم بن سید محمد اکبر بن سید حسین جلال الدین مخدوم جہانیانِ جہاں گشت بن سید احمد کبیر الحق بن سید حیدر جلال الدین میر سرخ بخاری بن سید علی ابوالموید بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر (اشقر) ہادی بن سید مرتضٰی اعظم ذکی بن سید علی نقیؓ بن سیدنا امام محمد تقیؓ بن سیدنا علی موسیٰ رضاؓ بن سیدنا امام موسیٰ کاظم بن سیدنا امام محمد صادقؓ بن سیدنا امام محمد باقرؓ بن سیدنا امام علی زین العابدینؓ بن سیدنا امام حسینؓ بن سیدنا علی کرّم اللہ وجہ۔

خاندانی حالات: از شجرۂ خاندانی

آپ ساداتِ نقوی اور جعفر التواب المعروف بہ ابی البین الملقب بہ سید مرتضٰی اعظم کی اولاد سے تھے۔ حضرت جعفر التواب ۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۱ھ میں بعمر ۴۵ سال وفات پائی چونکہ آپ نے امامت مہدی کی مخالفت کی اس لئے فرقۂ امامیہ شعیہ ان کے مخالف ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے ابی الحسن علی اشقر تھے۔ آپ کے نام کے ساتھ اشقر اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کے موئے مبارک سرخ تھے۔ آپ ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں بعمر ۶۲ سال وفات پائی۔ آپ بغداد کے سید النقبا تھے۔ آپ کے صاحبزادے سید عبداللہ ۳۰۱ھ تا ۳۶۳ھ تھے۔ آپ کو ایک فرزند احمد تھے ۳۴۰ھ تا ۴۲۲ھ مدفن بغداد شریف آپ نے ۸۲ سال کی عمر پائی۔ خواجہ نظام الدین اولیاء المعروف بہ محبوبِ الٰہی ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔ جن کے جدامجد خواجہ علی بخارا سے آکر بدایون میں سکونت اختیار کی۔ سید محمود کی کنیت ابوالسیف تھی۔ ولادت ۳۷۰ھ وفات ۴۳۹ھ بعمر ۶۹ سال ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے سید محمد الملقب بہ سیف اللہ المعروف بہ شمس الدین تھے۔ ولادت ۴۴۳ھ وفات ۵۲۹ھ بعمر ۸۲ سال ہوئی یہ اس خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے بغداد سے نقلِ مقام کر کے بخارا کو اپنا مسکن بنایا اور ان کے بعد کئی پشتیں بخارا ہی میں گزریں۔ سید محمد کے فرزند سید جعفر تھے۔ آپ کی ولادت ۵۱۰ھ اور

وفات ۵۷۵ھ بعمر ۶۵ سال ہوئی۔اور آپ کے والد سید ابوالمؤید نے بعمر ۷۷ سال بخارا ہی میں رحلت فرمائی۔

سید جلال الدین میر سرخ بخاریؒ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ کے دادا ہوتے ہیں۔آپ ایک جلیل القدر صوفی بزرگ تھے۔اگر چہ آپ بمقام بخارا ۵۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور بعمر ۹۵ سال سلطان جلال الدین خلجی کے دور میں ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔آپ امام علی نقی علیہ اسلام کی ساتویں پشت کے بزرگ ہیں۔جو سب سے پہلے بخارا سے بکھر (سندھ) بعہد سلطان التمش ۶۰۷ھ میں تشریف لائے اور اپنی بنی اعمام میں شادی کی۔آپ سید بہاؤالدین زکریا ملتانی ولادت ۵۷۸ھ اور وفات ۶۶۶ھ کے مرید ہوئے اور چالیس سال پیر کی صحبت میں رہے۔خرقۂ خلافت سہروردیہ حاصل فرمایا اور وہاں سے اوچھ (علاقہ بھاول پور) جاکر مستقل سکونت اختیار فرمائی۔آپ کے لاکھوں مرید تھے۔آپ نے ۶۹۰ھ میں بعمر ۹۵ سال وفات پائی۔اوچھ پانچ دریاؤں کے سنگم پر قائم ہے۔آپ کا موجودہ مقبرہ نواب بھاول خاں والیٔ ریاست بھاول پور نے ۱۸۳۵ء میں بنوایا۔آپ کے چار فرزند تھے۔۱۔سید علی،۲۔سید جعفر، ۳۔سید محمد غوث الملقب بہ سدرالدین،۴۔سید احمد کبیر۔

سید احمد کبیر ۶۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے بعمر ۱۳۱ سال ۷۵۹ھ اور بعض قول کے مطابق ۷۱۴ھ میں وفات پائی۔لیکن یہ یقین امر ہے کہ آپ محمد تغلق کے عہد میں بقید حیات تھے۔آپ کے دو صاحبزادے تھے۔پہلے سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت قدس سرہٗ اور دوسرے سید سدرالدین المعروف بہ راجو قتال قدس سرہٗ۔

حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ براعظم پاک وہند کے جلیل القدر اولیاء میں سے تھے۔آپ نے اور آپ کی اولاد واحفاد نے جو دینِ اسلام کی خدمات انجام دی ہیں وہ آبِ زرین سے لکھنے کے قابل ہیں۔آپ کے علمی وروحانی فیضان سے عرب وعجم کے بڑے بڑے بزرگوں نے فیض پایا۔آپ کا اسم گرامی سید حسین لقب جلال الدین اور خطاب مخدوم جہانیانِ جہاں گشت تھا۔جو آپ کے پیرِ سلسلہ یعنی حضرت سید بہاؤالدین ذکریہ ملتانی قدس سرہٗ کی بارگاہ سے عطا ہوا تھا۔حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت ۷۰۷ھ میں بمقام اوچھ حضرت سید احمد کبیر کے گھر پیدا ہوئے۔جبکہ سلطان جلال الدین خلجی نے

دکن کی دور دراز گھاٹیوں پر چڑھائی کی تھی اور اوچھ بھی اس کے زیر نگیں تھا۔حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ کا اور آپ کے آباواجداد کا اور اولاد کا مذہب سنت الجماعت تھا۔آپ عقائد حنفیہ سنیہ کے پابند تھے۔حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ نے حضرت شیخ رکن الدین ابوفتح نبیرہ شیخ بہاؤالدین ذکریہ قدس سرہٗ اور حضرت امام عبداللہ یافعی جیسے بلند محققین اہلِسنت الجماعت سے فیض حاصل کیا۔ان پر تقیہ اور شعیت کا الزام بہتان عظیم ہے۔آپ کو اپنے والدِ ماجد سید احمد کبیر سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت و خلافت تھی اور طریقہ چشتیہ نظامیہ میں آپ کو شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی سے خرقہ ملا تھا۔اس طرح آپ حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسودراز بندہ نواز قدس سرہٗ کے برادرِ طریق تھے۔مکہ معظّمہ میں آپ نے حضرت امام شیخ عفیف الدین عبداللہ یافعی سے طریقۂ قادریہ میں بیعت وخلافت حاصل کی۔گویا آپ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے پیر بھائی بھی تھے۔اس کے علاوہ آپ کو ملک عرب وعجم کے نامور بزرگوں سے بے شمار خرقہ ہائے خلافت کا حاصل ہونا ثابت ہے۔آپ کے ہاتھ پر راجپت قوم کے کئی قبائل مشرف بہ اسلام ہوئے۔آپ کا وصال بروز چہار شمبہ ۱۰ ذی الحجہ ۸۵ے ھ سال بوقت مغرب ہوا۔ [۱۱]

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔۱۔سید ناصر الدین محمود، ۲۔سید عبداللہ، ۳۔سید محمد بخاری۔ آپ کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت سید محمد بخاری کی اولاد میں سید جمالالدین بخاری ملتان سے بزمانہ سلاطینِ عادل شاہی دکن آئے تھے۔چونکہ سید محمد بخاری شہزادئی روم کے بطن سے تھے۔اس خاندان کے باقی ماندہ افراد جو بوجہ خاندانی تعلقات اوچھ اور ملتان میں رہ گئے تھے۔بقول فرشتہ:

> ''سلطان یوسف عادل شاہ ملک روم کا بادشاہ تھا۔ان ہی تعلقات کی وجہ سے یہ امر خرین قیاس ہے کہ مولانا جمال الدین بخاری ملتان سے بیجاپور چلے آئے اور آپ کی شادی سید محمد حسینی گیسودراز کے خانوادے میں ہوئی۔'' [۱۲]

سید محمد بخاری ابن حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کے صاحبزادے سید محمد مخدوم عالم تھے۔ ان کے فرزند سید عبدالرحمٰن اور ان کے سید علی حافظ ان کے سید حسن باقران کے سید احمد کبیر الحق بخاری۔

سید احمد کبیر الحق کے دو صاحبزادے تھے۔ ا۔ سید جمال الدین بخاری ملتانی، ۲۔ سید یوسف بخاری۔

سید جمال الدین بخاری ملتانی کے دو فرزند تھے۔ ایک سید کمال الدین اور دوسرے شرف الدین سید کمال الدین کے ایک فرزند سید حسن صوفی (ثانی) تھے۔ سید حسن صوفی ابنِ سید کمال الدین کے پانچ فرزند تھے۔ ا۔ سید جمال الدین، ۲۔ سید کمال الدین (اول)، ۳۔ سید محمد، ۴۔ سید اسمٰعیل، ۵۔ سید علی۔

سید کمال الدین بخاری (اول) ابنِ حضرت سید حسن صوفی کے تین فرزند تھے۔ ا۔ سید یعقوب، ۲۔ سید یداللہ، ۳۔ سید جمال الدین۔

سید جمال الدین (بگہّ) بن سید کمال الدین بخاری بن سید حسن صوفی کے آٹھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ زوجۂ اول کے بطن سے تین صاحبزادے ا۔ سید محمد حسینی الملقب بہ شہ میر اولیاء، ۲۔ سید نور اللہ بادشاہ حسینی بخاری (کڑپہ) ۳۔ سید شاہ کمال الدین حسینی بخاری صاحبِ دیوان مخزن العرفان۔ باقی اولاد کے نام اس طرح ہیں۔ ۴۔ سید حسن صوفی، ۵۔ سید احمد اللہ مجذوب، ۶۔ سید حسینی بادشاہ، ساتھویں اور آٹھویں صاحبزادوں کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ تین صاحبزادیاں تھیں۔ ا۔ رابع بی بی، ۲۔ ستی بی بی، ۳۔ مریم بی بی۔

ذیل میں سید شاہ محمد حسینی بخاریؒ المعروف بہ شہ میر اولیاء کا خاندانی شجرہ ملاحظہ ہو:

حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ

سید ناصر الدین محمود بخاریؒ　　سید محمد بخاریؒ　　سید عبداللہ

سید حسین مخدوم عالم

سید عبدالرحمٰن

سید علی حافظ

سید حسن باقر

سید احمد کبیر الحق

سید جمال الدین بخاری ملتانی — سید یوسف بخاری

سید کمال الدین — سید شرف الدین

سید حسن صوفی

سید جمال الدین — سید کمال الدین (اول) — سید محمد — سید اسمٰعیل — سید علی

سید یعقوب — سید یداللہ — سید جمال الدین

سید محمد شہ میر اولیاء — سید کمال الدین حسینی بخاری — سید حسینی بادشاہ

مجہول الاسم — تین صاجزادیاں — سید شاہ نوراللہ بخاری

سید حسن صوفی — سید احمد اللہ — مجہول الاسم ۱۳

حضرت سید کمال الدین بادشاہ بخاری (اول) گرم کنڈہ ضلع چتور جن کا سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشت سے ملتا ہے۔ چنانچہ آپ کے پردادا حضرت سید جمال الدین ملتانی سے نقل مقام کر کے گلبرگہ تشریف لائے اور یوسف علی عادل شاہ کے مہماں ن ہوئے۔ آپ

کی شادی حضرت خندہ بی بی جو شاہ حسن کی صاحبزادی تھیں طئے ہوئی تھی۔ شاہ حسن دراصل شاہ سفیر اللہ کے بیٹے تھے اور شاہ سفیر اللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ کے پوتے تھے اور حضرت سید اکبر حسینی کے فرزند۔

وطن:

شاہ میر کے والد اور دادا نے شہر کڑپہ کو اپنا مسکن بنایا تھا اور یہ انہی علاقوں میں بود و باش کی تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ نے بھی شہر کڑپہ ہی میں زندگی بسر کی ہوگی اور شہر کڑپہ کے اطراف واکناف کے علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کی ہوگی۔ شاہ میر کے وطن کے متعلق نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''شاہ کمال شاہ میر رائچوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔'' ۱۴

ہاشمی صاحب نے اپنے ماخذ کا حوالہ دئے بغیر لکھ دیا ہے کہ شاہ میر رائچوری تھے۔ حالانکہ کسی مخطوطے، تذکرے یا تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ شاہ میر کا وطن رائچور تھا۔ البتہ ان کے والد سید جمال الدین بخاری نے رائچوٹی کو اپنا وطن بنایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ہاشمی صاحب نے شاہ میر کا وطن رائچوٹی قرار دیا ہو اور کاتب کی غلطی سے رائچوٹی کے بجائے رائچور ہو گیا ہو۔ سید نور اللہ بخاری لکھتے ہیں:

''بزرگوار سید جمال الدین بخاری کہ از ملتان آمدہ
بودند'' ۱۵

سخاوت مرزا لکھتے ہیں:

''آپ کے اجداد میں سب سے پہلے سید جلال الدین
حسینی سرخ بخاری المعروف بہ حیدر ------------ ولادت
۵۹۵ھ، وفات ۶۹۰ھ ساتویں ہجری میں زمانہ سلطان شہاب الدین
غوری المتوفی ۶۰۲ھ بخارا سے ہندستان آئے۔'' ۱۶

اس طرح حضرت شاہ میر کے جد اعلیٰ بخارا سے ملتان آئے پھر غالباً گلبرگہ یا بیجاپور آکر مستقل طور پر متوطن پذیر ہوئے۔ چنانچہ شاہ کمال الدین خلیفہ تھے شاہ ہدایت اللہ بیجاپوری کے۔ جب عادل شاہی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا تو شاہ کمال الدین اپنے خاندان کے ساتھ شہنور آکر سکونت اختیار کرلی۔ بلگاؤں سے پھر اہل وعیال کے ساتھ رائچوٹی منتقل ہوگئے۔

خلافت:

شاہ میر اپنے والد بزرگوار حضرت سید جمال الدین بخاریؒ سے خرقہ ءخلافت حاصل کی۔

اولاد: خاندانی روایات اور شجرۂ خاندان کے مطابق شاہ میر کا عقد کرنول کے بخارا خاندان میں سید شاہ حسین بخاری ابن حاجی مخدوم بادشاہ بخاری کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔جن کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئی۔صاحبزادوں کے نام سید عبدالقادر عرف جیلانی بادشاہ،سید محی الدین بادشاہ اور صاحبزادی کا نام بادشاہ بی صاحبہ تھا۔

خلفاء:

خاندانی تذکرے میں شاہ میر کے صرف تین خلفاء کے نام ملتے ہیں۔دونوں بھائی سید نوراللہ بادشاہ بخاری قادری اور سید شاہ کمال الدین بادشاہ بخاری اور فرزند سید جیلانی بادشاہ ان کے خلیفہ تھے۔

وفات:

۱۱۸۶ھ میں یکم جمادی الآخر کو حضرت شاہ میر کا انتقال ہوا۔مزار قصبۂ تلپول تعلقہ کدری ضلع اننت پور میں واقع ہے۔مزار کے کتبہ پر حسب ذیل دو قطعات کندہ ہیں۔ایک تو ان کے برادر خود حضرت شاہ کمال کا کہا ہوا ہے اور دوسرا کسی اور شاعر عطاؔ تخلص کا ہے۔

قطعۂ شاہ کمالؔ ؎

صاحبِ کمال حضرت شہ میر قطبِ دیں
مخدوم و رہنما وسرتاج عارفیں
آمد ندا ز غیب بتاریخ شانِ عجب
سلطان اصفیاء شہنشاہِ واصلیں

۱۱۸۶ھ

مادۂ تاریخِ حضرت عطاؔ:

ے ملہمِ غیبی ! صدا دارم بگوش

اے عطا! شہ واصل حق شاہ میر

۱۱۸۶ھ

آپ کا عرس، ہر سال یکم جمادی الآخر کو بڑے عقیدت اور اہتمام سے منایا جاتا ہے۔جس میں عوام وخواص کی ایک کثیر تعداد شریک رہتی ہے۔آپ کا مزار ایک بڑے چبوترے پر واقع تھا،جس پر چند سالوں سے ایک گنبد کی تعمیر کردی گئی ہے۔عرس کے موقعہ پر ہر سال ایک مشاعرے کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس کی نوعیت نعتیہ و منقبتی مشاعرے کی ہوتی ہے۔

حضرت شاہ میر کا مجموعۂ کلام

یہاں حضرت شاہ میر کی دوغزلیں پیش کی جاتی ہیں:

ذات کو ہر شئے کے نیں ہے انقلاب اور صفت کو انفکاک و انسلاب
جو کہ آب آتش نہ ہوئے عکس نیر سلب نہ ہوئے عرق آتش غرق آب
نا ہوے صرفِ عدم محض وجود حال بیداری نہ ہوئے حالِ خواب
نا مبدل ذات نا متغیر صفات یہ عقائد سنت وراہِ صواب
ذات کو ہر دم تلبس ہے ولیک صورت ہر وصف سے اے کامیاب
اور صفت کو صورت افعال سے ہے تلبس ہر زماں بے ارتیاب
فعل کو آثار کے صورت سے ہے ہم تجلی ہم تلبس ارتکاب
ذات کو ہر شئے کے یوں ہے خلع بس اس کو کہتے ہیں تجدد ذولباب
گر نہ یوں ہو ذات کیونکر ہو بدیع بے بدیعیت کا یہ سارا حساب
خلع کو کہتے عدم در اصطلاح بس کو بولیں وہ وجود اے بہرہ یاب
مصطلح اہلِ حقایق کا سخن نیں لغت سے کام ان کو اے صحاب

کیا فنا اور کیا موت وحیات　　یا دو غفلت انکشاف و احتجاب
عینیت اور غیریت وصل و فراق　　ذوق و جدان و یقیں ریب ونقاب
کفر و ایمان راہِ منزل اور مقام　　سیر وطیر و جذب وسعی واکتساب
نفی و اثبات اورقرب و حضور　　بیخودی وباخودی کشف و حجاب
یہ مسائل اصطلاحی ہیں سمجھ　　یک بہ یک واللہ اعلم بالصواب
کر تلاوت رات دن اپنا وجود　　باتدبر میرؔ در ہر فصل و باب

۱۷

حضرت شاہ میر کی دوسری غزل درجِ ذیل ہے:

گر نہ یوں ہو ذات کیونکر ہو بدیع
بے بدیعیت کا یہ سارا حساب
خلع کو کہتے عدم در اصطلاح
بس کو بولیں وہ وجود اے بہرہ یاب
مصطلح اہلِ حقایق کا سخن
نیں لغت سے کام ان کو اے صحاب
کیا فنا اور کیا موت وحیات
یا دو غفلت انکشاف و احتجاب
عینیت اور غیریت وصل و فراق
ذوق و جدان و یقیں ریب ونقاب
کفر و ایمان راہِ منزل اور مقام
سیر وطیر و جذب و سعی و اکتساب
نفی و اثبات اور قرب و حضور
بیخودی وباخودی کشف و حجاب

یہ مسائل اصطلاحی ہیں سمجھ
یک بہ یک واللہ اعلم بالصواب
کر تلاوت رات دن اپنا وجود
باتدبر میرؔ در ہر فصل وباب

۱۸

حضرت شاہ طاہرؔ:

نام:

اردو کے پہلے منظوم لغت نویس حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ کرنول کے ایک مشہور صوفی بزرگ حضرت سید شاہ عبداللطیف لاابالیؒ کے چوتھے فرزند تھے۔ آپ کا نام سید شاہ طاہر قادری ثانی ہے۔ تخلص طاہرؔ کیا کرتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب مختلف واسطوں سے حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد حضرت سید شاہ عبداللطیف لاابالیؒ بغداد سے بیجاپور، حیدرآباد اور عالم پور ہوتے ہوئے کرنول تشریف لائے تھے۔ آپ نے سید شاہ حمزہ حسینی بیجاپوری کی دختر سید ولی شاہ بی بی سے شادی کی اور انہی کے بطن سے سید شاہ طاہر قادریؒ پیدا ہوئے۔ نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں:

’’سید شاہ طاہر نام اور آپ کے والد کا نام سید عبداللطیف تھا۔ کرنول آپ کا وطن تھا۔‘‘ ۱۹

’’تذکرہ حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ‘‘ میں سید عارف نعمانی لکھتے ہیں:

’’آپ کا اسم مبارک سید شاہ طاہر قادری ثانی ہے۔ عرفیت شاہ حضرت قادری اور صاحب حضرت مشہور ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کو سید برحق اور شیخ برجلال کے لقب سے پکارا تھا۔‘‘ ۲۰

ولادت:

حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ کی ولادت ۱۰۴۴ھ میں کرنول میں ہوئی۔ حکیم صدیق احمد اپنے تحقیقی مضمون میں لکھتے ہیں:

''حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ کرنول کے مشہور صوفی
بزرگ سید شاہ عبداللطیف لاابالی فرزند سید شاہ طاہر الحمویؒ کے چوتھے
فرزند تھے۔حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری لاابالیؒ غوث الاعظم
دستگیر کی پندرھویں پشت میں ....سید شاہ طاہر قادری ۱۰۴۴ھ
میں کرنول میں پیدا ہوئے۔'' ۲۱

حکیم صدیق احمد نے بغیر کسی حوالے کے حضرت سید شاہ طاہر قادری کی سنہ پیدائش ۱۰۴۴ھ قرار دیا ہے۔

تخلص:

حضرت سید شاہ طاہر قادری طاہرؔ تخلص کیا کرتے تھے۔آپ نے اپنے کئی اشعار میں تخلص طاہرؔ استعمال کیا ہے۔اس کی ایک مثال ملاحظہ ہوں ؎

دل کے مرادوں کو مرے حاصل سہل کرنا سبھی
اے طاہرؔ دانا غوث الاعظم دستگیر بصریا

تعلیم وتربیت:

حضرت سید شاہ طاہرؔ نے علم ظاہری وعلم باطنی اپنے والد ماجد سید شاہ عبداللطیفؒ سے حاصل کئے۔سید عارف نعمانی نے حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ کے علم کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''آپ نے صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں
دکنی، فارسی، عربی وترکی زبانوں میں کامل مہارت حاصل کرلی۔آپ
مذکورہ زبانوں میں شاعری بھی تحریر کرتے تھے۔'' ۲۲

وفات:

سید شاہ طاہر قادری ثانیؒ کی وفات ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔آپ نے ۷۱ سال کی عمر پائی۔۷۱ سال آپ دین واسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔آپ کا مزار ادونی ضلع کرنول میں باغ تالاب کے کنارے

موجود ہے اور ہر سال بہ صد تزک و احتشام ۷ا جمادی الاول کو عرس منایا جاتا ہے۔

تصانیف:

آپ نے کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔آپ کو اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں عبور حاصل تھا۔شاہ طاہؔر کی علم فقہ میں عمدہ تصانیف ہیں۔کنزالنفائس اور خوان یغما آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

نمونۂ کلام:

کرنا کرم کی اک نظر یا غوث الاعظم دستگیر
ہو فضل اس عاصی اوپر یا غوث الاعظم دستگیر

ہر دم تمہاری یاد میں دم مارتا ہوں دمبدم
نئیں شغل جز اس کے دگر یا غوث الاعظم دستگیر

برکت سے اپنے نام کی دنیا میں بھی اور دین میں
ہونا مجھے سایہ چھپر یا غوث الاعظم دستگیر

دنیا میں رکھو سرخرو او دین میں دیدار حق
ہوئے شفیع روز حشر یا غوث الاعظم دستگیر

دل کے مرادوں کو مرے حاصل سہل کرنا سبھی
اے طاہؔر دانا بصر یا غوث الاعظم دستگیر

حضرت شاہ فی الحالؔ

نام:

سید غلام عبدالقادر نام اور فی الحال تخلص فرماتے تھے۔آپ کا شمار کرنول کے کثیر التصانیف صوفی بزرگوں میں ہوتا ہے۔عربی و فارسی پر کامل عبور حاصل تھا۔فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے۔آپ

کے والد کا نام سید شاہ قدرت اللہ قادری تھا۔ جو اپنے چچا شاہ ظہیر الدین کے ساتھ شاہجہان آباد سے کرنول آکر آباد ہو گئے تھے۔

نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''سید شاہ عبد القادر فی الحالؔ کرنول کے شاعر ہیں۔
فی الحالؔ آپ کا تخلص تھا۔'' ۲۳

مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ فی الحالؔ کا نام سید عبد القادر تھا اور تخلص فی الحالؔ۔ شاہ فی الحالؔ نے خود اپنے کلام میں اپنا نام عبد القادر اور تخلص فی الحالؔ بتایا ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں ؎

ہے میرا نام عبد القادر اے دوست
تخلص میں ہوں فی الحال اے غضنفر

تخلص:

عبد القادر فی الحالؔ تخلص کیا کرتے تھے۔ آپ کی تمام فارسی و اردو شعری تصانیف میں آپ کا تخلص فی الحالؔ ہی ملتا ہے۔ تخلص کے چند شعر آپ کے کلام سے ملاحظہ ہو ؎

اپس کو کل منے فی الحال دیکھ
کیا سرِ انا کو عشق اللہ!

(دیوانِ فی الحالؔ)

بے حرف ہور با حرف دو جہاں ہے کلمہ
سائل ہوا ہے فی الحالؔ تم کوئی جواب دو

(دیوانِ فی الحالؔ)

ولادت:

دکن کے کسی بھی محقق نے آپ کی ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اور نہ ہی کسی دوسرے بیرونی ماخذ سے کوئی معلومات ہمیں ملتی ہیں۔ شاہ فی الحالؔ کی ولادت کے بارے میں اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ ۱۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے ۱۱۳۰ھ یہ نواب الف خاں ن اول والی کرنول کا زمانہ تھا اور اسی

زمانے میں شاہ فی الحآل کے والد شاہ قدرت اللہ قادری اور آپ کے چچا شاہ ظہیر الدین کرنول آئے تھے۔

تعلیم وتربیت:

شاہ فی الحآل کی والدہ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔شاہ فی الحآل کی والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت حضرت ماں صاحبہ اور حضرت خواجہ نورالدین چشتیؒ نے فرمائی۔حضرت خواجہ نورالدین کی زیر پرورش شاہ فی الحآل نے تعلیم پائی اور آپ ہی کی زیر نگرانی میں شاہ فی الحآل نے عربی، فارسی، اردو، فقہ، حدیث، تفسیر اور علم وعروض سیکھا۔حضرت خواجہ نورالدین چشتیؒ نے شاہ فی الحآل کو خلافت چشتیہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ڈاکٹر وحید کوثر لکھتے ہیں:

> ''خواجہ نورالدین چشتیؒ نے شاہ فی الحآل کی ابتدائی تعلیم وتربیت فرمائی اور خلافت چشتیہ سے بھی سرفراز فرمایا۔آپ ہی کی صحبت کے اثر نے فی الحآل میں شعروشاعری سے دلچسپی پیدا کی۔'' ۲۴

خاندانی حالات:

بقول صدیق احمد:

شاہ فی الحآل قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت سید تاج الدین محمود قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔حضرت سید تاج الدین محمود قادری رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضور غوث الاعظم دستگیر اضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔آپ ۹۰۸ھ مطابق ۱۵۰۲ء میں بنگلہ تشریف لائے۔بنگلہ کا بادشاہ سلطان شاہ حسین سلسلۂ نسب میں سادات سے تھا اور یہ حضور غوث الاعظم دستگیر اضی اللہ عنہ کا بڑا عقیدت مند تھا۔سید نورالدین ابوالحیات قادریؒ حضرت تاج الدین محمود قادریؒ کے فرزند تھے۔آپ کا نکاح سلطان شاہ حسین کی صاحبزادی سے ہوا۔حضرت نورالدین ابوالحیات قادریؒ کے تین صاحبزادے ہوئے۔۱۔سید شاہ محمد ذاکری قادریؒ،۲۔سید شاہ قمیص اعظم قادریؒ،۳۔سید شاہ عبدالعزیز سراج قادریؒ۔

سید شاہ قمیص اعظم قادریؒ بنگلہ سے بغداد پہنچے۔بغداد میں ایک قلیل مدت تک آپ کا قیام رہا۔سید شاہ قمیص اعظمؒ کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بشارت ہوئی اور حکم ہوا کہ ہندوستان

جاؤ۔ چنانچہ آپ ہندوستان آئے اور ساڈھورہ میں قیام فرمایا اور یہیں آپ کا عقد سید نصراللہ واسطیؒ کی صاحبزادی بی بی عائشہ سے ہوا۔ حضرت بی بی عائشہ کے بطن سے حضرت قمیص اعظمؒ کی چار اولادیں ہوئیں۔ جن کے نام ا۔ سید شاہ محمد قادریؒ، ۲۔ سید شاہ ابوالمکارم قادریؒ، ۳۔ سید غلام مصطفیٰ قادریؒ، ۴۔ بی بی قطب النساء ہیں۔

مغلیہ سلطنت کے بادشاہ حضرت قمیص اعظمؒ اور آپ کے افراد خاندان کے معتقد تھے۔ ہمایون بادشاہ کی بیوی سیدہ مریم زمانی نواب حمیدہ بانو عرف حاجی بیگم نے دہلی میں ایک دینی درس گاہ قائم کیا تھا۔ اس درسگاہ میں اساتذہ کے عہدوں پر قابل علماء و مشائخ اور ساداتِ کرام کا انتخاب عمل میں آیا جن میں حضرت قمص اعظم کے فرزند حضرت ابوالمکارم قادریؒ بھی تھے۔ حضرت ابوالمکارم کی آٹھ پشتیں دہلی اور شاہجہاں آباد (نئی دہلی) میں ہی مقیم رہیں۔ اس طرح ہمایوں بادشاہ سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات تک حضرت سید شاہ ابوالمکارم قادریؒ کی اولاد شاہجہاں آباد میں مقیم رہے۔ مغلیہ سلطنت کا زوال اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد دہلی کا نظام الٹ پلٹ ہوگیا۔ بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں سے اہلِ دہلی کا سکون ختم ہونے لگا تھا۔ طوائف الملوکی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ طوائف الملوکی کے اس زمانے میں سکھ، مرہٹے اور جاٹوں نے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اس کا اثر فنکاروں، کاریگروں، شاعروں کے ساتھ ساتھ صوفیوں پر بھی پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ستم ظریفی سے تنگ آ کر لوگ ہجرت کرنا شروع کر دئے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت سید شاہ ظہرالدین قادریؒ اور حضرت سید شاہ قدرت اللہ قادریؒ اپنی اہلیہ کے ہمراہ دہلی کو خیر باد کہہ کر دکن کا رخ کیا۔ یہ خاندان اورنگآباد سے ہوتا ہوا کرنول پہنچا۔ نوابانِ کرنول نے ان بزرگوں کی بہت عزت کی۔ آخر کار ان بزرگوں نے کرنول ہی کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔ ۲۵

خلافت:

شاہ فی الحالؔ کو اپنے والد سید شاہ قدرت اللہ قادریؒ سے قادریہ سلسلہ میں خلافت ملی تھی۔ تو دوسری طرف حضرت خواجہ نورالدین چشتی فاروقیؒ نے آپ کو خلافتِ چشتیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ شاہ فی الحالؔ کو بیک وقت سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ سے خلافت کی نعمت حاصل ہوئی تھی۔ اپنے بیسوں اشعار

میں شاہ فی الحالؔ نے اپنے پیر و مرشد کی مدح کی ہے۔اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شاہ قدرت اللہ قادریؒ آپ کے پیر و مرشد ہیں۔ ذیل کے ان اشعار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ ؎

فی الحالؔ صاحب قادری غلام ہو کر آیا
کامل پیر کو نشاں سر پوا پیچہ لا یا
سید قدرت اللہ کامل پیر مرشد میرا
وحدت کے پھولاں کا جس کے ہے سر سہرا

(چکّی نامہ۔شاہ فی الحالؔ)

قدرت اللہ ہے مرا پیر فی الحالؔ کو کیا بخوش
کاشفِ سرِ بقا تھا مجھے معلوم نہ تھا

(دیوانِ فی الحالؔ)

کنگا ہو فی الحالؔ میں نعمت لیا اس شاہ سوں
قدرت اللہ نام ہے جس عارف باللہ کا

(دیوانِ فی الحالؔ)

قدرت اللہ مرشدِ فی الحالؔ
سات دریا علم کے جس ہات

(دیوانِ فی الحالؔ)

اولاد:

شاہ فی الحالؔ کا عقد سید عبدالرحیم قادری کی صاحبزادی سیدہ خدیجہ بی بی سے ہوا۔جن کے بطن سے آپ کو پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔صاحبزادوں کے اسماء ۱۔سید عباداللہ قادری ،۲۔سید سلیمان قادری،۳۔سید امراللہ قادری،۴۔سید شاہ قدرت اللہ قادری ثانی،۵۔سید محمد غوث قادری تھے۔صاحبزادی کا نام سیدہ عقیلہ بی بی تھا۔

خلفاء:

شاہ فی الحالؔ کے خلفاء میں آپ کے فرزند ارجمند سید شاہ قدرت اللہ قادری ثانی فی الفورؒ، سید محمد غوث قادری، سید غلام حسین قادری اور سید شرف الدین قادری کت نام اہم ہیں۔

ہمعصر صوفی شعراء:

شاہ فی الحالؔ کے ہمعصر صوفی شعراء میں شاہ نورؔ کڑپوی، شاہ کمالؔ گرم کنڈوی، شاہ من عرف اور شاہ تراب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

وفات:

شاہ فی الحالؔ کا وصال ۱۲۱۲ھ میں ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک کرنول کے شمال مغرب میں تین کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قصبہ ماں صاحبہ مسجد کے قریب واقع ہے۔ آپ کا سالانہ عرس شریف ۱۶ شوال المکرّم کو منایا جاتا ہے۔ قطعۂ تاریخِ وصال شاہ فی الفور نے لکھا ہے

عارفِ خاص آں خدائے حبیب

زیں جہانِ خراب وقتِ قریبِ

سالِ تاریخ آں شہِ فی الحال

مرشدِ نیک رہنمائے غریب

۱۲۱۲ھ

تصانیف:

شاہ فی الحالؔ کثیر التصانیف اور پر گو شاعر تھے۔ فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ فارسی اور دکنی کے دیوان دستیاب ہیں۔ آپ کے اردو دیوان کی غزلوں سے فارسی دیوان کی غزلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کی تصانیف میں فارسی دیوان، نکات العارفین (فارسی مثنوی)، مراۃ السالکین (فارسی مثنوی)، اردو دیوان، مثنویاں، ارشاد نامہ، بود نامہ اوّل و دوم، پیت نامہ اور چکّی نامہ وشادی نامہ ہیں۔ اس کے علاوہ چھن (سوالِ شغلی جوابِ فی الحالؔ) قابلِ ذکر ہیں۔

نمونۂ کلام:

خدا سے خدا کو جو ہم دیکھتے ہیں — دو عالم کو زیرِ قدم دیکھتے ہیں
ہوالحق میں جا ہم اناالحق میں مل کر — تماشائے ملک عدم دیکھتے ہیں
ہے میں تو سے نئیں کام عاشق کو ہرگز — ظہورِ محمد کو ہم دیکھتے ہیں
حیات النبی سے جو واقف ہوئے ہیں — ہر ایک پل میں باغِ ارم دیکھتے ہیں
فصاحت سے جو عینیت کے ہیں ماہر — وہی غیراللہ کو سم دیکھتے ہیں
جو کوئی ذات اسم وصفت کے ہیں محرم — وہی غیر کا سر قلم دیکھتے ہیں
جو کوئی باخبر عرش وکرسی کے اے دل — کل اشیاء میں لوح وقلم دیکھتے ہیں
جو ناظر کو حاضر کئے ہیں ہمیشہ — وہ مطلب کے شاہد کو جم دیکھتے ہیں
یہی نفس کافر کے قائل ہیں جو ہیں گے — جو تیغِ نگاہ کو علم دیکھتے ہیں
کہ آمیم میں سر دئے ہیں جو عارف — وہ کب روئے شادی وغم دیکھتے ہیں
جو کوئی ذاتِ اللہ کے عاشق ہیں اے دل — ہر ایک لحظہ دردوالم دیکھتے ہیں
کہ یادِ خدا میں ذکر ہیں بہت سے — عجیب ذکرِ سلطاں کا دم دیکھتے ہیں
وہی قدرت اللہ فی الحالؔ ہیں ہم — ہر شئے منے جامِ جم دیکھتے ہیں

(دیوانِ فی الحالؔ، ص۔۱۲۲)

شاہ فی الحالؔ کے چکّی نامہ کے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:

سنو ماواں بھاناں اللہ کو سرانا
ہر شئے میں اللہ ہے اول اس کو پانا
سارے سہیلیاں ملکو غفلت کا سر مونڈو
اللہ کے پانے کو کامل مرشد ڈھونڈو
کامل کامل کئے تو کامل کا کیا معنا
اللہ ہور نبی کو ہر شئے میانے پانا

ہر شئے میں صفت ہے اس میں ذات خدا کی
ظاہر ہور باطن میں صورت سب پیا کی
اول آخر کلمہ ظاہر باطن کلمہ
کلمہ کو تحقیق کر آپچ ہونا کلمہ
شریعت طریقت چکی کے دو پاٹاں
اللہ کو پانے کے سمجھو دو ہی باتاں
جلی قلبی روحی سری ہور خفی میں
پانچوں تن ہیں سہیلیاں اثبات ھور نفی میں
سارے سہیلیاں ملکو چکی کو پھراؤ
ھو ھو کی آواز میں ذاتی گیتاں گاؤ
فی الحال صاحب قادری غلام ہو کر آیا
کامل پیر کے نشاں کو سر پو آپچ لایا

دیگر کلام دیون شاہ فی الحال:

کا ر د نیا کچھ نہ فکر عقبا کیجئے
شاہد و مشہود کو درحال یک جا کیجئے
با وجود غیریت ہے ہر دو عالم عینیت
یوں سمجھ کر شوق سے کل کارِ دنیا کیجئے
وحدت سمجھ کثرت کے تئیں علم نبی اللہ سے
ہر محیط و ہم معیت دید اس کا کیجئے
ناظر و حاضر بہ فکر معرف جب اے عزیز

عین و جہہ اللہ کو ملجا و ماوا کیجئے

ذات و صفاتِ عبدیت ہر شے میں اظہر روبرو

باخبر دل کو ملا کر سیر اس کا کیجئے

حکم رأیت ربی بربی حق ہے شاہد چوطرف

باوجودِ سلطنت وہ چشم پیدا کیجئے

اسرارِ حق سے بالیقیں فی الحال اب ممتاز ہو

انا فانا بے عمل وصلِ مولا کیجئے

حضرت شاہ نورؔ

نام:

نام سید نور اللہ حسینی الملقب بہ سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاریؒ۔ آپ کا نام خود آپ کی تصانیف میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ حضرت شاہ نورؔ رسالۂ ارشادِ نوریہ میں اس طرح لکھتے ہیں:

''ہندی زباں سوں سید نور اللہ بن جمال الدین آسان کر کر حضرت سید محمد حسینی شاہمیر صاحب قدس سرہٗ کی فیض ہور ارشادِ نوریہ کی برکت سوں ہور حق تعالیٰ کی عنایت ہور ہدایت کی اعانت سوں لکھتا ہے۔''۲۶

حضرت نورؔ نے اپنی تصنیف ''تجلیٔ انوار'' جو ''تجلیاتِ نورانی'' کے نام سے مشہور ہے اس میں اپنا شجرہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کتاب لاجواب تجلیٔ انوار............مولفہ حضرت سید نور اللہ بن سید جمال الدین نبیرہ حضرت سید محمد گیسودراز بندہ نواز است۔''۲۷

حضرت سید نور اللہ کے پوتے سید سلطان محی الدین غوث نما سالکؔ لکھتے ہیں:

''وسید نور اللہ واقف اسرار اللہ بن سید جمال الدین

قادریؒ‘‘ ۲۸

حکیم محمود بخاری صاحب لکھتے ہیں:

’’اسمِ گرامی نور اللہ المتخلص بہ نورؔ۔۔۔۔۔‘‘ ۲۹

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کا نام سید نور اللہ تھا۔صوفی اور باخدا شخص ہونے کے اعتبار سے وہ سید نور اللہ بادشاہ کے نام سے موسوم تھے۔

تخلص:

آپ نورؔ تخلص کیا کرتے تھے۔آپ اپنے فارسی واردو کلام کے کئی بیتوں میں تخلص نورؔ استعمال کیا ہے۔اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہو:

محبوب ندا کند کہ اے نورؔ　　　آنجا کہ توئی منم ہمیشہ

(تجلیِ انوار۔ص۱)

بندی نور کو نور ایمان دے　　　تیرا دید جنت منی دان دے

(عقائدِ نوریہ۔ص۵)

سنہ پیدائش:

حضرت سید نور اللہ بادشاہ بخاری کی صحیح تاریخِ پیدائش کا علم نہ ہو سکا۔البتہ حکیم محمود بخاری صاحب نے ایک روایت پیش کی ہے وہ لکھتے ہیں:

’’ایک روایت کے مطابق سنہ ولادت ۱۳۱۱ھ ہے۔‘‘

۳۰

حکیم محمود بخاری صاحب کے اس مضمون میں یعنی ’’حضرت سید نور اللہ بادشاہ بخاریؒ‘‘ جو کہ سالنامہ اللطیف ویلور، ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے اس میں انھوں نے مندرجہ بالا روایت کو کہاں سے لیا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

خاندان:

حضرت سید نور اللہ بادشاہ بخاریؒ کا خاندان بھی وہی ہے جو حضرت شاہ میرؔ کا ہے۔حضرت سید نور

اللہ بخاریؒ حضرت شاہ میرؔ کے چھوٹے بھائی ہیں۔لہٰذا حضرت سید نور اللہ بخاریؒ اور حضرت شاہ میرؔ دونوں ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور دونوں کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔

وطن:

اردو یا فارسی کے کسی تذکرے سے سید نور اللہ بادشاہ بخاریؒ کے حالاتِ زندگی اور وطن وغیرہ کا تفصیل سے پتہ نہیں چلتا چوں کہ آپ کے والد اور دادا نے شہر کڑپہ کو اپنا مسکن بنایا تھا اور آپ کے بڑے بھائی سید محمد حسینی شہ میرؔ اور چھوٹے بھائی سید شاہ کمال الدین مصنف ''مخزن العرفان'' نے انہی علاقوں میں بود و باش اختیار کی تھی۔قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ نے بھی شہر کڑپہ ہی میں زندگی بسر کی ہوگی۔

خلافت:

والد بزرگوار اور بڑے بھائی سے تعلیم و تربیت پائی اور برادر بزرگوار کے مرید و خلیفہ ہیں۔جیسا کہ آپ خود اپنی تصنیف ''تجلیِ انوار'' میں لکھتے ہیں:

> ''میراث باطنی سید شاہ محمد حسینی شاہ میر صاحب
> رسید کہ فرزند کلاں از زوجہ کلاں بودند و از ایشان بہ فقیر سید نور اللہ کہ
> برادر حقیقی یک مادری و خلیفہ اوست۔۔۔''۳۱

حکیم محمود بخاری صاحب نے بھی شاہ نورؔ کے مرشد اور ان کی خلافت کے تعلق سے لکھا ہے:

> ''آپ سید جمال الدین بخاری (اول) کے فرزند اور شہ میر (اول)
> کے منجھلے بھائی اور مرید و خلیفہ ہیں۔''۳۲

آپ حضرت سید جمال الدین بخاریؒ جمالؔ رائچوٹی (متوفی ۱۱۶۴ھ) کے منجھلے فرزند اور شہ میر اول (متوفی ۱۱۸۶ھ) کے برادرِ حقیقی تھے۔آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔پھر اپنے برادر بزرگ حضرت شہ میر سے علمِ باطنی کی تکمیل کی۔حضرت نورؔ نے اپنے کلام میں کئی جگہوں پر اپنے پیر و مرشد یعنی حضرت سید محمد حسینی شہمیر کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نورؔ حضرت شاہ میرؔ کے مرید و خلیفہ ہیں۔اپنے پیر و مرشد کی مدح میں شاہ نورؔ کے یہ اشعار ملاحظہ ہو

حضرت سید محمد مرشدِ روشن ضمیر تاجِ سر سلطان کا اور قطب حق دوران کا

(تجلیِ انوار۔ص ۷۸)

شہیر کہ مرشد است و پیرم اوساختہ مرشدم ہمیشہ

(تجلیِ انوار۔ص ۱)

اتا بول کچہ مدح توں پیر کا محمد حسینی شہیر ی کا

(عقائدِ نوریہ۔ص ۷۸)

اولاد:

شجرۂ خاندانی کے مطابق سید شاہ نور اللہ بخاری نے دو عقد کئے۔سید شاہ حسینی بخاری بن حاجی سید مخدوم بخاری کی صاحبزادی ان کی پہلی رفیقۂ حیات تھیں۔دوسری بیوی کا نام وزیر بی بی صاحبہ تھا۔جو حضرت شاہ میاں صاحب کی صاحبزادی تھیں۔حضرت شاہ میاں صاحب اوبلی ضلع کڑپہ کے متوطن تھے۔پہلی بیوی کے بطن سے ایک صاحبزادے سید محی الدین بادشاہ اور دوسری بیوی کے بطن سے چار صاحبزادے حسینی بادشاہ، موسیٰ صالح قادری، شاہ محمد اور قادر بادشاہ تھے۔

وفات:

شاہ نوؔر کا انتقال ۱۲۱۴ھ میں ہوا۔مزار مبارک نہر داؤدی کے کنارے کڑپہ میں واقع ہے۔آپ کے پوتے سید سلطان محی الدین سالکؔ والد سید حسینی بادشاہ نے تاریخ وفات کہی ہے۔جو مزار مبارک کے کتبہ پر کندہ ہے۔

قطعۂ تاریخ:

شیخ سید شاہ نور اللہ شاہِ اولیاء
بادشاہِ وجد و حال و کاشف راز خدا
بود آں نورِ الٰہی گم شدہ در مصطفیٰ
سالِ وصلش شیخ شہ گفتہ دگر آمد ندا
ہائے دل بہ شکستہ اے سالک دلم از روئے آہ

گفت نو ر ا اللہ د ر نو ر محمد گم شد ہ

۱۲۱۴ھ

(کتبہ مزار۔شاہ نورؔ۔کڑپہ)

معاصرین:

حضرت شاہ نوراللہ بخاری کے ہمعصروں میں کئی صوفیاء کرام اور علماء وشعراء ہیں۔جن میں حضرت شہ میراول، مولانا باقر آگاہ ویلوری، شاہ فی الحال کرنولی، وجدی کرنولی، سراج اورنف آبادی کے علاوہ آپ کے بھائی حضرت سید شاہ کمال مصنف ''مخزن العرفان'' وغیرہ تھے۔

تصانیف:

شاہ نورؔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔آپ کو عربی، فارسی اور اردوزبانوں پر عبور حاصل تھا۔شاہ نورؔ فارسی اور اردو میں کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔جن میں عقائدِ نوریہ، تجلیاتِ نورانی اور مجموعہ التکسیر ہیں۔یہ تمام کتابیں قلمی ہیں اور کتب خانۂ کمالیہ، گرمکنڈہ، ضلع چتّور میں موجود ہیں۔

نمونۂ کلام:

ذات رب کی جسم وجسمانی نہیں — نفس بی نیں اورنفسانی نہیں
قلب وقلبی بھی نہ پہچانے اوسے — بلکہ نیں ہی روح وروحانی نہیں
ذات وذاتی ذات اوراسکے صفات — یوں جونا سمجھے سو عرفانی نہیں
معرفت رب کی، ہر اک پرفرض ہے — ہور عبادت انکی جس ثانی نہیں
ذات مطلق ہے ہمہ باطن ہے لیک — باہمہ ظاہر ہے پنہانی نہیں
منشائی ہر دوھے وحدت جمع توں — او حقیقت احمدی فانی نہیں
بعد اس کے ہے الہٰیت سو کیا — غیر نفس الامر انسانی نہیں
بعدہٗ ہے جان ارواح ومثال — جاں اگن پانی پوں پانی نہیں

(تجلیٔ انوار،ص۔۲۶)

''تجلیٔ انوار'' سے حضرت شاہ نوؔر کی ایک اور غزل ملاحظہ ہو:

خامۂ عنبر فشاں سوں ثنا سبحان کا — جس کوں لائق ہے اُلھا ناخلق پر احسان کا
متصف ہے ذات اوس کی باصفتہائے کمال — دور ہے ذات سوں نام ونشاں نقصان کا
حی و قادراورمرید وعالم وبینا ہے او — قوتِ سمعی کو اوس حاجت نہ ہرگز جان کا
بے زناں بے حرف بے آواز ہے وہ کلیم — ازکلام نفسی خودجونکہ خطرہ جان کا
اس صفاتِ سبعۂ ذاتی کو کہتے اُمّھات — کشف قلبی ہے جسے حاجت نہ اوس برہان کا
ذاتِ واحد کی صفت واحد محمد جس ہے نام — عین ہے طرفین کا قاب ہے قوسین کا
ذاتِ مطلق متصف ہوکر تمام اوصاف سیں — نام مومن پائیاں ممکن ہوا ایمان کا
یہ سخن کشفی شھودی ھے بری تقلید سوں — دست رس اس میں نہیں ہر جان اورانجان کا
حضرت سید محمد مرشدِ روشن ضمیر — تاج سر سلطان کا اور قطبِ حق دوران کا
علتِ غائی خلقت شاہ میرؔ دوجہاں — داد گر ہر ہر سخن کی کند کے دیوان کا
اقتباس ِ نورکیتا نوؔر اوس خورشید سوں — ہوراجازت تس کرم سوں دوسرے دوران کا

(تجلیٔ انوار،ص۔۷۸)

حضرت شاہ نوؔر کی تصنیف ''عقائدنوریہ'' سے چنداشعار ملاحظہ ہو:

کروں حمد خالق کا بنیاد میں — رہوں شکر میں اوسکی دلشاد میں
ثنا شکر اسکو سزاوار ہے — دو عالم کا صانع وکرتار ہے
کیا جو دسون سبکو موجوداو — دنیا مین دیا دین بہبود او
یگانہ ہی اوآپنی ذات میں — بہی یکا صفتہائی اثبات میں
اوسی کو ہے ثابت صفات وکمال — کمالات اوسکی جلال و جمال
بجز جان اور تن کے جیتا ہے او — دو عالم کے تین زندہ کیتا ہے او

ہر یک چیز اوپر سکت دار او — ہمن عاجزا نکامددگار او
جو کرتی بہی کہی صغیرو کبیر — اوسکی اوپر ھی سمیع وبصیر
او سنتا ہے لیکن اوسی کان نین — اونین دیکھتا سو کوئی آن نین

(عقائدِ نوریہ۔ص ا)

محمد کو کیتا رسول ونبی — طفیلی کیا اونکی عالم سبی
درودِ خدا اونپہ نازل اچھو — ہر ایک روز ہور رات ہور تل تل اچھو
بہی نازل اچھو آل اصحاب پر — ہمیشہ تمام اونکی احباب پر
مدد اور توفیق چہتا ہوں میں — اول حق ستی بعد کہتا ہو نمین

حضرت شاہ کمالؔ:

تاریخ اردو ادب میں شعروشاعری کے لئے اردوادب کو بامِ عروج کو پہنچانے والوں میں ایک اور مقدس نام ملتا ہے اور وہ ہیں، حضرت شاہ کمالؒ (دوّم)۔حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بلند مرتبت ولی کامل گزرے ہیں۔علم وعرفان کی دنیا میں آپ کی ذات قطعاًمحتاج تعارف نہیں۔درس وتدریس، تالیف وتصنیف، پند ونصائح اور مجاہدہ وریاضت ایسے جملہ امور میں اپنی نظیر آپ تھے۔حضرت شاہ کمال اپنے عہد کے ایک قادرالکلام اور باکمال اور پرگو شاعر ومصنف ہیں۔آپ ایک فطری اور وہبی شاعر تھے، بلا مبالغہ ہزاروں اشعار آپ کے نوکِ قلم سے تخلیق پائے ہیں۔آپ نے اردو میں شاعری فرما کر اردو پر احسان کیا ہے۔آپ کے اشعار کا موضوع تصوف واحسان ہونے کے باوجود آپ نے اس پامال مضمون کو اپنے قلمِ معجز رقم سے زندۂ جاوید بنا دیا، اس کی نظیر اس دور کے دیگر شعراء میں ملنا بہت مشکل ہے۔آپ کو عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں تصانیف چھوڑی ہیں۔حضرت سلطان ٹیپو شہیدؒ نے آپ کو بجا طور پر ’’جامیٔ دکن‘‘ کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ بقول محمد سخاوت مرزا آپ کو اپنے تمام ہم عصروں میں

اپنے طرز و رنگ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔حضرت شاہ کمالؒ (دوم) کے علم و فضل و تقویٰ و بزرگی کا عالم یہ تھا کہ عوام تو عوام خواص الخاص بھی آپ کے عقیدت مندوں کی قطار میں نظر آتے تھے، جن میں جلیل القدر سلطان ٹیپو شہیدؒ کا بھی نام شامل ہے،''اثر اعتقاد'' میں سلطان ٹیپو شہید کی حسنِ عقیدت اس طرح رقم طراز ہے:

''شاہ کمال کے عقیدت مندوں میں سلطان ٹیپوؒ شہید (۱۲۱۳ھ بھی تھے سلطان نے آپ کو از روئے عقیدت سری رنگ پٹن مدعو فرمایا تھا اور آپ کے ورودِ مسعود کے بعد ایک عرصہ تک آپ کی نورانی مجلسوں سے استفادہ بھی کیا تھا۔آپ سے حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب انگریزوں نے سلطان کی خدمت میں ایک مراسلہ روانہ کیا، کہ جس میں جنگ اور صلح میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو سلطان نے فوراً اپنا ایک ایلچی شاہ کمال کی خدمت روانہ کیا اور آپ سے مشورہ طلب کیا، اس وقت آپ اتفاقاً ذکر میں مشغول تھے۔آپ نے موقعہ کی نزاکت کے مدنظر ایلچی سے فرمایا کہ ''در صلح خیر'' (صلح میں بھلائی ہے) مگر چوں کہ سلطان کا نمائندہ غدار تھا، اس نے کاغذ پر ''در سلح خیر'' یعنی اسلحہ اٹھانے اور جنگ کرنے میں بہتری ہے، لکھ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان نے بھی دیکھ کر سمجھا کہ شاہ کمال جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں، بعد ازاں گھمسان کا رن پڑا جس میں سلطان نے جام شہادت نوش فرمایا۔اس طرح تقدیر غالب آگئی''۳۳؎

آپ کا نام سید شاہ کمال الدین تھا۔آپ سید شاہ جمال الدین بخاریؒ کے تیسرے فرزند تھے۔شاہ کمال نے اپنے دیوان ''مخزن العرفان'' میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے ؎

دیکھ اس کے حال پر اپنی نوازش کی نظر جم جم

کمال الدین تیرا بندہ ہے کمتریا جمال الدین

(دیوانِ مخزن العرفان۔ص ۱۸۶)

نام:

حضرت سید شاہ کمال الدینؒ کے فرزند حضرت سید یوسف علی شاہ بخاری اکملؔ نے اپنی تصنیف مقصود السالکین میں رقم طراز ہیں:

''فقیر شاہ اکملؔ غلام شاہ کمال اللہ حسینی رحمۃ اللہ کا کرتا ہے۔'' ۳۴

رسالۂ اردو میں سخاوت مرزا نے بھی حضرت شاہ کمال کا نام کمال الدین ہی لکھا ہے۔ سخاوت مرزا لکھتے ہیں:

''اسمِ گرامی کمال الدین سادات الحسینی الحسنی ابن
سید جمال الدین۔۔۔۔'' ۳۵

ڈاکٹر زور نے بھی کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو کی وضاحتی فہرست جلد سوم میں حضرت شاہ کمال کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سید شاہ کمال الدین ولد سید شاہ جمال الدین
شاہنور (بیجاپور) کے رہنے والے تھے۔ بعد کو کڑپہ اور کرنول میں مقیم
ہوئے۔'' ۳۶

نصیر الدین ہاشمی نے بھی حضرت شاہ کمال کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شاہ کمال المتخلص بہ کمال کڑپہ آپ کا مولد تھا۔ صاحبِ باطن بزرگ
تھے۔'' ۳۷

حکیم محمود بخاری لکھتے ہیں:

''اسمِ گرامی کمال الدین جامئ دکن لقب کمال تخلص فرماتے تھے۔ آپ
سید جمال الدین بادشاہ بخاری اول کے تیسرے فرزند اور سید محمد حسینی
شاہ میر اول کے چھوٹے بھائی ہیں۔'' ۳۸

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ کمال کا اصلی نام کمال الدین یا کمال اللہ تھا۔ آپ حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری کے فرزند تھے اور صوفی و مذہبی تقدس کی وجہ سے وہ شاہ کمال کے نام سے مشہور تھے۔

تخلص:

شاہ کمال الدین کمال تخلص کیا کرتے تھے۔دکن کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی طرح آپ نے بھی کئی تخلص اپنائے۔شاہ کمال اپنے کلام میں کمالی، کمالا، کمال اللہ اور کمالیا کو تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔کہیں کہیں پورا نام کمال الدین بھی تخلص کے طور پر باندھا ہے۔اس طرح انھوں نے اپنے نام اور تخلص کو کلام میں مختلف طرح سے لکھا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سن کر کہا کلام کمالؔی کو شاہ میر ایسا تو اس زمانے میں کوئی شعر گوئے نہیں

نخل دوئی کمالاؔ صحن سرائے دل سے یوں کھودنا کہ اس کی جڑ پیڑ نہ پنپنا

یہ تمامی ہے بیان وحدتِ ہستی کا کمالؔ لیکن از روئے حقائق ہے حق و خلق جدا

(مخزن العرفان، ص۔۹۹، ۷۰، ۲۷۳)

ولادت:

حضرت شاہ کمال کے مقامِ پیدائش اور ولادت کے بارے میں تاریخوں اور تذکروں سے کوئی معلومات اب تک دستیاب نہیں ہوئے۔

خاندان:

شاہ کمال ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"کرنول کے صوفی خاندان میں شاہ کمال الدین کمال تخلص کے ایک مشہور صوفی گزرے ہیں۔آپ کے خاندان میں سلوک باطنی کے ساتھ علم و فضل بھی بزرگوں کی میراث رہی ہے۔آپ کے والد کا نام سید جمال الدین بادشاہ بخاری تھا۔"[۳۹]

شاہ کمال کا نسب بارہ واسطوں سے حضرت سید مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ جو برصغیر ہندو پاک کے مشہور جامع السلاسل سے جا ملتا ہے۔حضرت سید جمال الدین بخاریؒ ملتانی، حضرت سید مخدوم جہانیانِ جہاں گشت کی اولاد میں تھے۔آپ سب سے پہلے دسویں صدی ہجری کے اوائل میں دکن کی

طرف رخ کیا۔ یہاں آپ کی شادی سیدہ خونزہ بی بی بنت سید حسن از خانوادۂ خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ سے ہوئی۔ حضرت سید جمال الدین بخاری ملتانیؒ کے پڑپوتے سید کمال الدین بخاری اول نے بیجاپور سے ہجرت فرماکر بدویل، شاہنور، کرنول، کڑپہ، رائچوٹی سے ہوکر گرمکنڈہ کو اپنا مسکن قرار دیا۔ سید کمال الدین بخاری اول کے صاحبزادے سید جمال الدین بخاری تھے۔ سید جمال الدین کے تین صاحبزادے تھے۔ ا۔ سید احمد شاہ میر، ۲۔ سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاری، ۳۔ سید کمال الدین بادشاہ بخاری۔

وطن:

اردو یا فارسی کے کسی تذکرے سے شاہ کمال کے حقیقی وطن کا پتہ نہیں چلتا۔ ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:

''سید شاہ کمال الدین ولد سید جمال الدین شاہنور بیجاپور کے رہنے والے تھے۔ بعد کڑپہ اور کرنول میں مقیم ہوئے۔''[۳۰]

خاندانی حالات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہ کمال کے آباواجداد نے بیجاپور سے ہجرت فرماکر کرنول، کڑپہ اور رائچوٹی کو اپنا مسکن بنایا تھا۔

تعلیم وتربیت:

شاہ کمال کی تعلیم وتربیت اور اساتذہ کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہوئے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شاعری میں کس کا تلمذ اختیار کی تھا؟ البتہ خاندانی روایات میں آتا ہے آپ کے حقیقی بھائی سید محمد شاہ میر ہی نے آپ کی تربیت کی تھی اور آپ کو تعلیم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرمایا تھا۔

سلسلۂ بیعت:

شاہ کمال نے اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ میر اول کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا تھا۔ شاہ کمال کو اپنے پیرومرشد سے والہانہ محبت تھی۔ اس کا ثبوت آپ کے دیوان مخزن العرفان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ دیوان کے تقریباً ہر مقطعے میں شاہ میر کا نام انتہائی عقیدت اور محبت سے لیا ہے۔ حضرت شاہ کمال نے اپنے دیوان میں نہ صرف اپنے پیرومرشد کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اپنے آباواجداد کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہر غزل میں اپنے مرشد کی مدح کی ہے۔ یہاں تک کہ چار نظمیں بطور خاص

اپنے مرشد کی منقبت میں لکھی ہیں۔ایک منقبت کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

ملک دیں کا ملک ہے تو شہیر　　علم و عرفاں ن ہے تجھ کو گنج و سریر
بلکہ ہے ملک اور ملک سب تو　　سور چندر جھلک فلک سب تو
پھو ل تو پھو ل بن تو بلبل تو　　سرو تو یاسمین تو سنبل تو
تو ہے عاشق تو عشق تو معشوق　　تو ہے خالق تو خلق تو مخلوق
تو و جو د و شعو ر و نو ر و حضو ر　　تو انا الحق تو دار تو منصور

(دیوانِ مخزن العرفان، ص۔۵۲۷)

اولاد:

حضرت شاہ کمال نے دو عقد کئے۔ان کی پہلی بیوی سید مصطفیٰ قادری ساکن کرنول کی صاحبزادی تھیں ۔ دوسرا عقد انھوں نے میسور میں کیا تھا۔پہلی بیوی کے بطن سے دو صاحبزادے اور دوسری بیوی سے دو صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔پہلی بیوی کے بطن سے جمال اللہ بادشاہ عرف دادا پیر اور صاحبو بخاری تھے۔دوسری بیوی کے بطن سے جلال الدین عرف یوسف علی شاہ اکملؔ اور سید علی شاہ لامعؔ تھے۔

ہمعصر شعراء اور مشائخین:

حضرت سید خواجہ رحمت اللہ، سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ویلوری، مولانا باقر آ گاہ، خواجہ میر درد، سراج اورنگ آبادی وغیرہ آپ کے ہم عصر مشائخین و شعراء ہیں۔

وفات:

شاہ کمال کا وصال ۱۱ر صفر ۱۲۲۴ھ میں ہوا۔جدِ امجد شاہ کمال اول کے پائین، گرمکنڈہ ضلع چتّور میں دفن ہوئے۔قطعۂ تاریخِ وفات یہ ہے ؎

مرشدِ حق بین دان حق نیوش
شہ کمال الدین میر عارفاں
شاہ قدسی آمد از وصلش عجیب

رہنمائے سالکین رفت از جہاں

۱۲۲۴ھ

(شہ میری اولیاء، ص۔۱۱۸)

تصانیف:

دیوانِ مخزن العرفان (منظوم دکنی اردو)، معراج نامہ (منظوم دکنی اردو)، ضیافت نامہ (منظوم دکنی اردو)، حسن السوال وحسن الجواب (منظوم دکنی اردو)۔ فارسی زبان میں بھی شاہ کمال نے کئی تصانیف قلم بند کی ہیں۔ جن میں نصاب، کمال المعرفت، کلماتِ کمالیہ، معدنِ محاسن، رحیما اور دیوانِ کمال بہت مشہور ہیں۔

اول الذّکر تصنیف حضرت شاہ کمالؔ کا منظوم دکنی اردو دیوان ہے۔ اس دیوان میں تصوف کے مضامین کونہایت ہی اثر انگیز اسلوب میں نظم کیا گیا ہے۔ دیوانِ مخزن العرفان علم وادب اور فن کے اعتبار سے دکنی اردو کا عظیم شاہکار ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے جذبات، مشاہدات اور کیفیات کو ادبی وفنی اعتبار سے پیش کیا ہے۔ شاہ کمالؔ نے اپنے صوفیانہ نظریات کو بڑی حکمت کے ساتھ سمجھایا ہے۔ اس دیوان کے دو حصّے ہیں جن میں کئی غزلیات، رباعیات، مثنویات کے علاوہ منقبتی کلام بھی موجود ہے۔ دیوان میں نعتیہ کلام سے زیادہ تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف بزرگانِ دین کی مدح میں بھی کئی نظمیں لکھی گئی ہیں۔ ساتھ ہی شاہ کمالؔ نے صنف ریختی پر بھی طبع آزمائی فرمائی اور انھوں نے اپنی ریختیوں کے ذریعے صوفیانہ نکات کو واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت شاہ کمالؔ نے ایک چکّی نامہ بھی اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ جس میں صوفیانہ مضامین کو تمثیلی اسلوب میں پیش کیا ہے جو معرفت کے خزانے سے مزین ہے۔ حضرت شاہ کمالؔ نے اپنی صوفیانہ شاعری کے ذریعہ فصاحت وبلاغت کے دریا بہائے ہیں۔ آپ کی شاعری میں آمد ہی آمد نظر آتی ہے۔ شاہ کمالؔ کو الہامی شاعر کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ ذیل میں آپ کے کلام سے چند ایک نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

نمونۂ کلام:

محمد ہے مقدورقادر ہے اللہ	محمد ہے ماموراٰمر ہے اللہ
محمد ہے مغفور غافر ہے اللہ	محمد ہے مشکورشاکر ہے اللہ
محمد ہے مذکورذاکر ہے اللہ	محمد ہے منظورناظر ہے اللہ
محمد ہے منصورناصر ہے اللہ	محمد مبشر ہے مبشر ہے اللہ
محمد کی صورت سے ظاہر ہے اللہ	محمد کے معنیٰ سے ماہر ہے اللہ
وجودِ محمد وجودِ خدا ہے	نہ ہرگز محمد خدا سے جدا ہے

(مخزن العرفان، ص۵۱۳)

چکّی نامہ حضرت شاہ کمالؔ

بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں بولوں گی	ثنااور صفات کے موتیوں کو رولوں گی
بسم اللہ بسم اللہ سمرن میرے من کا	ہر دم ہے وظیفہ ناؤں اس ساجن کا
بسم اللہ جو ناری یک باری کہے گی	بدی اس کی ذرّی باقی نہ رہے گی
بسم اللہ کہنے میں شیطان یوں جل جاتا	اگن کے درمیانے کتھل جوں گل جاتا
بسم اللہ جوسندر صدق سے کہے گی	وہ پار ہو دوزخ سے جنت میں رہے گی
بسم اللہ سے حق نے سنوارا قرآں کو	جیسے چندرسورج تاروں سے آسماں کو
بسم اللہ میں الحمد الحمد میں مصحف سب	بسم اللہ کے بے کے نقطے میں سب مطلب
بسم اللہ کے نیہ کی مدن کی ماتی ہوں	پل پل اس ناؤں کے صدقے میں جاتی ہوں
بسم اللہ سے پیارے اس تن سے چھٹ جانا	مسمّٰی میں بعد از میں پن سے اٹھ جانا
بسم اللہ سے کرنا چکی کا ابتدا	وحدت کے آٹے میں برکت دے گا خدا
بسم اللہ کے بل سے چکی میں پھراؤں	کامل سب صفتاں سے ساجن کو سراؤں

سہیلیاں کل مل کو نول چکی میانے — دوئی کے خطروں کے بھاکے پیسو دانے
اقرار کا ہے کھونٹا تصدیق کی ہے میانی — نفی کے ہاتھوں سے اثبات چکسا چھانی
عینت غیریت چا کی کے دوپاٹاں — اللہ اورنبی سے ملنے کے وہ باٹاں
چاکی کو پھرانا ارشاد کی قوت سے — ہُو ہُو آواز اس میں آتا ہے قدرت سے
پینا اس چاکی کا انھیائی کو نیں آتا — سہاگن کے ہاتھوں سے چکسا پیسے جاتا
اول تو یہ چاکی دولہ نے پھرایا — تس پیچھے دلہن کو پھرانے سکھایا
بعد از ساری بیویاں دلہن سے سیکھیاں ہیں — زباں پر راکھیاں ہیں دلوں میں لکھیاں ہیں
الاّاللہ فرما کے اثبات اپنی جوڑا — لا کہہ کے اللہ نے بولو کس کو چھوڑا
لازم ہے نیاریاں ہو اول پیو کو پانا — حاصل کیا نا پا کے خالی گیتاں گانا
میں نیں ہوں یا ہے ہوں یا رب ہوں یا بندی — بوجی نیں سو ناری دونوں جگ میں اندھی
خدا ہونا ہو تو خودی کا سر مونڈو — خودی کھونا ہو تو کامل مرشد ڈھونڈو
دل کا صندوق کھولو کلمے کی لیو کونجی — اللہ کی پہچانت اس میں مایاپونجی
دولا اوردلہن کی جلوہ کی رات آئی — میں سو تو توسومیں کیا بہتر بات آئی
حقیقت میں دلہن دولے سے بیگانی — دولہ جم جم باقی دلہن نت نت فانی
پھر دیکھو تو یک ہے دولہ دلہن دو مل — جدائی اور دوری دونوں میں نیں یک تل
اٹھا ساتوں پردے دیکھی پیو کی صورت — ہے پن جس کا معنٰی میں پن جس کی صورت
نااودولہ میرانامیں اس کی دلہن — جو کچھ نیں سو میں ہوں جو کچھ ہے سو لالن
حقیقت دلہن کی عدم ہے امکانی — ماہیت دولہ کی ہستی ہے وحدانی
دولے کا وہ ہے پن دلہن کا وہ نیں پن — یک یک کی ماہیت یک یک کا ہے درپن
دلہن کی صورت سے دولہ خود ظاہر ہے — دولے کی ہستی سے دلہن کب باہر ہے
دانائی تجی ہوں دیوانی ہوں پیو کی — رتی نیں رکھتی ہوں پرواا پنے جی کی

دیگر

جئیو مین پئیو عیان تھا مجھے معلوم نہ تھا　　آشکارا ہو نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
میں سمجھتا تھا مرا پئیو ہے مرے سے جدا　　سر بسر وہم وگماں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو کے ہی ذات وصفت باطن وظاہر ہے مرا　　میں تو نامی بہ میاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
متلبس ہو وہ یک پئو سدا جلوہ نما　　درلباسِ دوجہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیوَ ہے ہست بجز نیست نہیں پئیوَ کا غیر　　عینِ ایمان یہ بیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو زمین پئیو زمان پئیو مکین پئیو مکان　　پئیوَ تن پئیوَ ہی جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو کو پیر سے پانا ہے وگر نئیں تو محال　　پیر یوں فیض رساں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو نے پیر کے گھنگٹ میں دکھلایا ہے جمال　　یہ عجب رازِ نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو نے پیر نما آپ ہوا ہے ورنہ　　پئیوَ بے نام ونشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پیر نے پئیوَ کو ہر شئی میں بتلایا ہے مجھے　　نئیں تو وہ پئیوَ کہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
پئیو کو پئیو سے دکھلانے مرے تئیں یہ کمالؔ　　پیر شہمیر ضماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

(مخزن العرفان، ص۱۰۵)

حال میں آستانۂ شہ میریہ، کدری کے سجادہ نشین حضرت شہ میر نے ''دیوانِ مخزن العرفان'' کو بڑے اہتمام کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔

حضرت شاہ میرؔ (ثالث)

نام:

سید عبدالحق نام عرف شاہ میر بادشاہ اور تخلص شاہ میرؔ تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۲۸۷ھ میں محلّہ نبی کوٹ کڑپہ میں ہوئی۔ حکیم محمود بخاری نے شہ میری اولیاء میں لکھتے ہیں:

''اسمِ گرامی عبدالحق عرف شاہ میر بادشاہ، شاہ میرؔ تخلص فرماتے تھے۔ سن بارہ سوستیاسی ہجری (۱۲۸۷) مطابق اٹھارہ

سوا یکہتر عیسوی میں بہ مقام کڑپہ (محلّہ نبی کوٹ) اپنے قدیم آبائی گھر میں پیدا ہوئے۔'' [۴۱]

ولادت:

حضرت شاہ میرؒ سن ۱۲۸۷ھ مطابق اٹھارہ سوا یکہتر عیسوی میں بہ مقام کڑپہ (محلّہ نبی کوٹ) اپنے قدیم آبائی گھر میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب:

آپ کا نام عبدالحق، عرف شاہ میر بادشاہ اور تخلص شاہ میر تھا۔خاندانی شجرے میں آپ کا نام ونسب اس طرح ہے۔

اسم گرامی عبدالحق عرف عام شاہ میر بادشاہ شاہ میر تخلص فرماتے تھے۔آپ صحیح النسب حسینی الحسنی سید ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔سید عبدالحق عرف شاہ میر ثالث بخاری سید عبدالقادر بخاری بن سید جمال الدین بخاری بن سید محمد حسینی عرف شاہ میر ثانی بخاری بن سید عبدالقادر عرف جیلانی بادشاہ بخاری بن سید محمد حسینی شاہ میر اول بخاری بن سید جمال الدین بخاری بن سید کمال الدین بخاری بن سید حسن صوفی ثانی بخاری بن سید کمال الدین بن سید جمال الدین ملتانی بن سید کبیر الحق بن سید حسین باقر بخاری بن سید علی حافظ بخاری بن سید عبدالرحمٰن بخاری بن سید حسین مخدوم عالم بخاری بن سید محمد اکبر بن سید حسین جلال الدین مخدوم جہانیانِ جہاں گشت بخاری بن سید احمد کبیر الحق بخاری بن سید حیدر جلال الدین حسین جلال اعظم میر سرخ بخاری بن سید علی ابوالموید بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر (اشقر) ہادی بن سید مرتضیٰ اعظم ذکی بن سید علی نقیؓ بن سیدنا امام محمد تقیؓ بن سیدنا علی موسیٰ رضاؓ بن سیدنا امام موسیٰ کاظمؓ بن سیدنا امام محمود جعفرِ صادقؓ بن سیدنا امام محمد باقرؓ بن سیدنا امام علی زین العابدینؓ بن سیدنا امام حسینؓ شہید دشتِ کربلا بن سیدنا امام علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ [۴۲]

حضرت شاہ میر کے اکیسویں دادا حضرت سید جلال الدین حسین جلال اعظم سرخ بخاریؒ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ملتان تشریف لائے اور نویں دادا حضرت سید جمال الدین بخاریؒ نے ملتان سے گلبرگہ آ کر حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودرازؒ کی پڑ پوتی سے شادی کی۔سید جمال الدین بخاری کے پوتے حضرت سید کمال الدین بخاری نے گلبرگہ سے بیجاپور آ کر قیام فرمایا۔پھر شاہ نور اور کرنول ہوتے ہوئے کڑپہ پہنچے اور گرمکنڈہ جا کر انتقال فرمایا۔اس طرح یہ خاندان تقریباً تین سو سال سے علاقۂ رائل سیما میں آباد ہے۔

تعلیم وتربیت:

شاہ میر کی ابتدائی تعلیم وتربیت والد ماجد سید عبدالقادر بادشاہ کی سرپرستی میں ہوئی۔آپ جس خاندان کے چشم و چراغ تھے اس خاندان کے کئی بزرگ صاحبِ تصانیف، علماء، صوفی، صاحبِ دیوان شاعر وادیب گذرے ہیں۔شاہ میر کی پرورش اور تعلیم وتربیت صوفیانہ ماحول میں ہوئی۔والد کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش حضرت سید علی مراد شاہ بخاری افضلؔ نے کی۔علمِ ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کو تحصیلِ علم باطنی کی فکر ہوئی۔لہٰذا آپ نے حضرت سید علی مراد شاہ بخاری سے بیعت کی۔شعروشاعری سے خاص لگاؤ تھا۔اپنے مریدین کو مسائل واذکارِ ضروریہ کی تعلیم دیتے تھے۔ہمیشہ مسائلِ تصوف کی بحث کرتے اور نکاتِ تصوف ذہن نشین کراتے تھے۔

خلافت وجانشینی:

علم ظاہری کی تکمیل کے بعد تحصیلِ علم باطنی کی فکر ہوئی۔آپ حضرت مولانا علی مراد شاہ افضلؔ سے خلافت حاصل کی۔حکیم محمود بخاری رقم طراز ہیں:

> ”آپ نے سن تیرہ سو نو ۱۳۰۹ھ میں حضرت افضلؔ سے بیعت کی اور چاروں سلسلوں کے علاوہ سلسلۂ طبقاتیہ میں (جو حضرت شاہ حسام الدین طبقاتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے) خلافت حاصل کی اور علم باطنی سے کماحقہٗ بہرہ ور ہوئے اور جب سن تیرہ سو دس ہجری میں افضلؔ نے اس دنیائے فانی سے کوچ فرمایا تو آپ ہی حضرت افضلؔ کے جانشین مقرر کیئے گئے۔“[۴۳]

خلفاء:

آپ کے خلفاء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت سید جمال الدین بادشاہ قادری کے علاوہ مولوی علی حسن ترکی ساکن بہار، مولوی حاجی سید مصطفیٰ حسینی عرف عطاء اللہ ساکن گرمکنڈہ ہیں۔ موخرالذکر حضرت راقم الحروف کے پردادا ہیں۔

وفات:

حضرت شاہ میرؔ کی وفات ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ آپ کا مزار مسجدِ شاہ میر ثانیؒ کے صحن، کڈپہ میں واقع ہے۔ قطعۂ تاریخِ وفات جو مولوی حاجی صوفی بخشی مصطفیٰ علی خان میسوری کا لکھا ہوا ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

عبدِ حق والا نسب عالی مقام	دستگیر ِ بے کساں پیرِ زماں
عارف ِحق شاہبازِ لامکاں	زاں سبب معروف شہ میرِ زماں
جذبۂ حق داشت آں شیخِ زمن	بود خضر کو چک و پیرِ زماں
روشنیٔ قلب او بد نورِ حق	گمراہاں را بود تنویرِ زماں
در رہِ حق قاطعِ باطل چوگشت	گشتے اولاریب شمشیرِ زماں
ہر کہ او رادید شد شیدائے حق	در کلامش بود تسخیرِ زماں
کرد خالی چو مکاں بہرِ مکیں	آں ولی و عبد ِ حق پیرِ زماں
گفت بخشی خستہ جاں سالِ وسال	حق بہ حق پیوست شہ میرِ زماں

تصانیف:

آپ کی تصانیف میں دیوانِ شاہ میر، حقیقتِ محمدیہ، گلدستہ اشرف العالمین، فضائلِ توبہ، منازل المصحف، نصابِ نصیحت قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا دیوان، دیوانِ شاہ میر کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام:

من عرف سے ہی تجھے اس کا پتہ ملتا ہے	بالیقین دل میں ترے تجھ کو خدا ملتا ہے

اینما پڑھ کر ذرا دیکھ مری آنکھوں سے — صورت خلق سے خالق کا پتہ ملتا ہے
کنت کنزاً کے جو معنی کو نہ سمجھا کچھ بھی — ایسے نادان کو کیا کہئے کہ کیا ملتا ہے
لامکاں میں بھی اگر کوئی پہنچ کر دیکھے — کیا وہاں اس کو تحیر کے سوا ملتا ہے
کہئے شہ میرؔ خدا کس نے خودی میں پایا — ڈھونڈتا ہے جو خودی میں اسے کیا ملتا ہے

دیگر

آتش ہجر پیمبر میں ہوں جلتا جاتا — ہے دھواں آہ کا سینے سے نکلتا جاتا
دن قریب آئے ہیں طیبہ سے جدا ہونے کے — چشمۂ غم مرے دل سے ہے ابلتا جاتا
ذکرِ رخصت جو کیا کرتے ہیں زائر باہم — غمِ فرقت سے مرا دم ہے نکلتا جاتا
مجھ سے کیوں کہتا ہے زائر کہ چلو طیبہ سے — دل مرا ایسی ہی باتوں سے ہے جلتا جاتا
ہند کے رہنے سے حیراں و پریشاں تھا میں — اب مدینے میں جو ہوں دل ہے بہلتا جاتا
دل کو دیتی جو کبھی طاقتِ رفتار جواب — سر کے بل راہِ مدینے میں میں چلتا جاتا
دشتِ طیبہ کو جو جاتا ہوں تو ہر پتھر سے — مثلِ فرہاد سر اپنا ہوں کچلتا جاتا
خوابِ غفلت میں عبث عمر کی شب کٹتی ہے — شمع کی طرح ہوں اس غم میں پگھلتا جاتا
آرہا ہے مرے لب پر جو محمد کا نام — دل ِ بیتاب ہے سینے میں اچھلتا جاتا
غیرتِ گوہرِ نایاب ہے وہ اے شہ میرؔ — سخن نعت جو منھ سے ہے نکلتا جاتا

دیوانِ شاہ میر سے ایک اور کلام ملاحظہ ہو ۔

دل کو میرے قرار دے یا رب — کام سارے سنوار دے یا رب
ہوں شگفتہ امید کی کلیاں — باغِ دل کو بہار دے یا رب

نغمۂ نعتِ مصطفیٰ کے لئے ‏ ‏ میرے دل کو ابھار دے یارب
دل کو دے شاہِ انبیاء کا خیال ‏ ‏ آنکھ کو انتظار دے یارب
الفتِ پنجتن کے ساتھ مجھے ‏ ‏ انستِ چار یار دے یارب
بادۂ حبّ آلِ پاک رسول ‏ ‏ مجھ کو اب بار بار دے یارب
حبّ یارانِ شہ میں جامِ ظہور ‏ ‏ ایک دو تین چار دے یارب
مجھ کو طیبہ میں جلد پہنچا کر ‏ ‏ جان ودل کو قرار دے یارب
آرزو ہے وہیں کی خاک بنوں ‏ ‏ مجھ کو طیبہ میں مار دے یارب
دفن کو جنّت البقیع ملے ‏ ‏ اتنی جائے مزار دے یارب
دل ہو سیرِ جناں سے خوش پسِ مرگ ‏ ‏ اس چمن کو بہار دے یارب
تیرے دیدار کا ہوں نادیدہ ‏ ‏ یہ شرف ایک بار دے یارب
بے ثمر ہے مرا درختِ عمل ‏ ‏ ایک بار اس کو بار دے یارب
اپنے بندوں کا تو نہ کر محتاج ‏ ‏ مجھ کو کچھ اقتدار دے یارب
کاٹ دوں کفروشرک کے اشجار ‏ ‏ ہاتھ میں ذوالفقار دے یا رب
جو کہ شہ میرؔ کے مقاصد ہیں ‏ ‏ خفیہ وآشکار دے یا رب

(دیوانِ شاہ میرؔ ص ۹۸)

میلا دالنبی کے موقع پر حضرت کے کلام کو بڑی عقیدت کے سے پڑھا جاتا ہے۔

حضرت سید جلال الدین اکملؔ

حضرت سید جلال الدین نام اور اکملؔ تخلص ہے۔آپ حضرت شاہ کمال الدین بخاری کے فرزند اور خلیفہ تھے۔آپ کی تاریخِ پیدائش کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

تعلیم:

آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل مدراس میں فرمائی۔ تحصیلِ علومِ ظاہری کے بعد آپ نے خرقۂ خلافت اور فیض باطنی والد ماجد سے حاصل فرمایا۔ نیز آپ کو حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری خلیفہ خواجہ رحمت اللہ سے طریقہ نقشبندیہ میں فیض پہنچا۔ شاہ صاحب کے آپ کے والدِ ماجد شاہ کمالؒ سے خاص روابط تھے۔

اولاد امجاد:

آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ فرزندوں کے نام ۱۔ سید مراد علی عرف علی مراد شاہ افضلؔ، ۲۔ سید نور محی الدین مقبلؔ۔ صاحبزادیوں کے نام ۱۔ فاطمہ بی، ۲۔ سکینہ بی، ۳۔ رابعہ بی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۲۷۷ھ میں ہوئی۔ مزارِ اقدس محل، ضلع چتّور میں واقع ہے۔ تاریخ وفات آپ کے مرید نے کہی ہے ؎

حضرت اکملؔ نے کیا آباد جب قصرِ جناں
تب نظر آنے لگے ویراں ہمیں اپنے مکاں
یوں کہا ہاتف نے مونسؔ سال تاریخ وفات
کر چکا مکاں وہ پیشوائے عارفاں

۱۲۷۷ھ

تصانیف:

اکملؔ کو نثر اور نظم دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف میں مقصود السالکین اور چہل حدیث قابلِ ذکر ہیں۔ چہل حدیث اکملؔ کی منظوم تصنیف ہے جو آپ کے والد ماجد کی فارسی نظم چہل حدیث کا منظوم ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے حمد و نعت بھی کہی ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو: ؎

کروں حمدِ خدا یہ دم ہے کہاں — یہ لب و لہجہ اور فہم ہے کہاں

کس طرح یہ رقم ہونا — دست ولوح اور قلم ہونا
ایسا دست اور دوات وخامہ کہاں — وہ سکت یہ سیاہ نامہ کہاں
ہے زبس یہ ثنا کا بام بلند — کیوں وہاں پہنچے فکر کا یہ کمند

حضرت جلال الدین اکملؔ کے چیدہ کلام سے دوغزلیں اور ایک رباعی بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

رات دن پیچ وتاب ہے ہم کو — طلب آفتاب ہے ہم کو
اپنے چہرے سے تو اٹھایا نقاب — نے حجابی حجاب ہے ہم کو
حسنِ خلق اے فرشتہ خو تیرا — گلِ باغ گلاب ہے ہم کو
معنیٰ و جہ حق سمجھنے کو — تیری صورت کتاب ہے ہم کو
رات دن یاد بن نہ گزرے تری — اپنے دم کا حساب ہے ہم کو
ہم تو ہیں خاکسار اے اکملؔ — جد علیؑ بو تراب ہے ہم کو

دیگر

کلمہ جب دم کے ساتھ تن میں ہے — اسم ذاتی کا نقش من میں ہے
دل کے گلشن کا گل ہے یہ کلمہ — ایسا گل لوئی نہ پھول بن میں ہے
لَا وإلَّا کے ساتھ اے ماورا — آمد ورفت دم بدن میں ہے
قبر میں کوئی نہ ساتھ جز کلمہ — نقش سینے پہ یہ کفن میں ہے
کلمہ یہ جس کے دم کا ہو ہمدم — وہ تو فردوس کے چمن میں ہے
کلمہ طیبہ کا طوبیٰ نام — جھاڑ قدرت کا یہ چمن میں ہے
جڑ ہے تحت الثریٰ میں شاخ اس کی — پہنچی جا عرش ذوالمنن میں ہے
بیچ کلمہے کے جو فنا ہووے — اس کو خلوت ہر انجمن میں ہے
جانِ اکملؔ کمال شوق کے ساتھ — گردبن پیر کے چرن میں ہے

رباعی:

اقسام کی بخششیں خدا بخشے ہے ہراسم سے یک عطا جدا بخشے ہے
ہر آن میں اس حقیقت عالم کو اک اسم فنا تو یک بقا بخشے ہے

چہل حدیث کے چند شعر درج ذیل ہیں۔

نجاست شرک کی کر دور پہلے بدن سے دل کے ہے دستور پہلے
سمندر کود پڑ وحدانیت کے سراپا موج بن جا محمدت کے
وضو اور غسل سے رفع حدث کر خیال غیر کا تب ہو مطہر
جھکا محراب سر بندگی سے دوگانہ شکریہ پڑھ عاجزی سے
زباں شمع و قلم گل گیر کرے ثنا کے باغ کا شب گیر کرے
سخن کے انجمن میں سرخرو ہو بیان میں عشق کے پروانہ خو ہو

اکملؔ نے مناجاتِ بجناب سرورِ کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کے عنوان کے تحت مناجات بھی لکھی ہے۔ اسکے چند ابیات یہ ہیں۔

عرض ہے یہ حضورِ انور سے تیری درگاہِ پاک و برتر سے
شاق ہے مجھ پہ ہجرِ دلبر کا چمنِ نازک کے صنوبر کا
سرور گلزار جس کی قامت ہے جس سے اس دل پہ اک قیامت ہے
جب سے اس دل کو اس نے چھین لیا دل لیا اور میرا دین لیا
آہ وزاری ہے بے قراری ہے یانبی وقت انتظاری ہے

یہ زمانہ تو ہے عجب الٹا — جس کو دیکھو تو ہے کہ ڈھب الٹا
ایسا کچھ کرئے یا رسولِ کریم — کہ ملے مجھ سے میرا یار قدیم
جس نے مجھ کو کیا فریفتہ ہو — یاد سے اس نے ہمارا شیفتہ ہو
آہنِ دل کو اس کے گرم کرو — موم کی طرح نرم نرم کرو
ماہِ رخ مہربان ہو جائے — ملتفت جانِ جان ہو جائے
یا محمد تم اس ستم سے چھڑاؤ — اپنے یوسف کو بند غم سے چھڑاؤ
میرے دلبر سے مجھ کو جلد ملاؤ — یا نبی میری التجا بر لاؤ

حضرت سید علی مراد شاہ افضلؔ:

نام:

آپ کا اسم مبارک مراد علی عرف مراد شاہ اور افضلؔ تخلص کیا کرتے تھے۔ آپ حضرت سید جلال الدین اکملؔ کے بڑے صاحبزادے اور شاہ کمال جامیٔ دکن کے پوتے ہیں۔ ۱۲۴۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی۔ علومِ ظاہری کے بعد نعمتِ باطنی اور خلافت اپنے والدِ ماجد حضرت اکملؔ سے پائی۔ آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ آپ لاولد تھے۔ رسالہ سلوک میں اس کے متعلق لکھا گیا ہے:

> ”آپ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی گنڈلور محل ضلع چتور میں اپنے ہی خاندان میں ہوئی تھی۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی مدراس کے کرمانی خاندان میں مولانا سید قادر حسین کرمانی کی دختر سے ہوئی۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔“ [۴۴]

خلفاء:

حضرت شاہ فقیر محی الدین مقبلؔ میسوری، حضرت سید عبد الحق کڑپوی، حضرت سید نذر اللہ شاہ کڑپوی وغیرہ۔

وفات و مدفن:

آپ کا وصال بروز جمعہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ بمقام مدراس ہوا۔آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو محلّہ نبی کوٹ میں مسجد عیسیٰ میاں صاحب کڑپہ کے سامنے والے چبوترے پر حضرت شاہ نور اللہؒ کے مزار کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔قطعہ تاریخ وفات آپ کے خلیفہ حضرت شہ میر ثالث نے کہی ؎

حیف صد حیف مرشد افضل نے　　دارِ فانی سے کوچ فرمایا
روز جمعہ کا گیارھویں تاریخ　　ماہ تھا وہ جمادی الاولیٰ
ایک ہزار اور تین سو دس سال
سال تھا مصطفیٰ کی ہجرت کا

تصانیف:

تربیت نامہ فارسی، خطباتِ افضل منظوم، روح التجوید، مفید الاطفال، ہادی غیر مہدی آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

آپ کے کلام سے دو غزلیں اور چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

نمونۂ کلام:

نہ ورد میں ہے نہ لالہ میں نہ سمن میں ہے　　بہار جو ترے رخسار کے چمن میں ہے
نہ زعفراں میں نہ ہے مشک میں نہ عنبر میں　　جو نکہت اس شہ کونین کے بدن میں ہے
ہو کس طرح نہ دل ہر کدام کا پروانہ　　کہ شمع نور کی تیرے ہر انجمن میں ہے
ہے نور صد یدِ بیضا کا ہر کف پا میں　　اثر ہزار مسیحا کا ہر سخن میں ہے
فقط نہ روئے زمیں پر ہے تذکرہ تیرا　　وظیفہ چرخ پہ شام وسحر عدن میں ہے
ہے ہم سے ذکرِ الٰہی میں دو جہاں مشہور　　ترا ہی نام مقدس ہر اک دنہ میں ہے

صفات وذات میں تیرا عدیل اور مانند نہ کوئی قدرت خلاق ذوالمنن میں ہے
نصیب کیجئے شاہا سفر مدینے کا مزہ وہ رنج کا کب راحتِ وطن میں ہے
کبھی نہ بھول وظیفہ درود کا افضل کہ لفظِ صلِّ علیٰ کا ہر اک دہن میں ہے

چیدہ اشعار:

حصہ پہ ہو قانع نہ زیادہ کا ہو طامع بھرتا ہے کہاں چشمِ حریصاں کا پیالا
ہونٹوں سے گرا دیتا ہے قسمت کا نہیں سو حصّہ کا ہے گر قاف میں دیتا ہے خدا لا

آزماتا ہے خدا نیکوں کو اکثر کیا کیا امتحان کرتا ہے عشاق سے داور کیا کیا
دوستوں کو نہیں آرام میں رکھتا ہرگز رنج دیتا ہے انھیں خالقِ اکبر کیا کیا

نہیں ہے راحت وآرام کی جگہ دنیا ہے صرف رنج والم درد وغم کی جا دنیا
جو کافروں کو جنان مومنوں کو ہے زنداں بہ قولِ مخبرِ صادق ہے یہ سرا دنیا

ہے رواں عمر آب کی مانند زندگی ہے حباب کی مانند
خالی و بے حصول و باد بدست حال دنیا ہے خواب کی مانند

رائل سیما کے ان صوفیائے کرام کے مطالعے سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ اس میں جہاں مضامینِ تصوف بیان کیے گئے ہیں، وہیں اس کے ادبی محاسن ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس شاعری میں لسانیاتی اور سماجی مطالعے کی بھی بڑی گنجائش دکھائی دیتی ہے۔ اگلا باب اسی تجزیے کے لیے مختص ہے۔

حواشی

۱۔مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام، انجمنِ ترقی اردو ہند، ص ۳

۲۔ایضاً

۳۔ڈاکٹر مظفر علی شہ میری، نقش و نظر، ص ۱۰۳

۴۔حضرت جلال الدین اکمل، مقصود السالکین، ص ۲۳

۵۔سید محمود بخاری، شہ میری اولیاء، نامی پریس، حیدر آباد، ص

۶۔ڈاکٹر رفعیہ سلطانہ، اردو کا آغاز وارتقاء، ص ۲۳۷

۷۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو،

۸۔سخاوت مرزا، نوائے ادب، ماہ اپریل ۱۹۵۳ء، جلد ۴، شمارہ ۲، ص ۲۸

۹۔ایضاً

۱۰۔ڈاکٹر سیدہ جعفر، دکنی رباعیاں، آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی، حیدر آباد، ص ۱۸۶

۱۱۔ شجرۂ خاندانی،

۱۲۔سخاوت مرزا، مخدوم جہانیانِ جہاں گشت، انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچر اسٹڈیز، ص ۳۴

۱۳۔شجرۂ خاندانی، آستانۂ کمالیہ

۱۴۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، ص ۲۵۶

۱۵۔حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاریؒ، تجلّیٔ انوار، ص ۲۰۵

۱۶۔سخاوت مرزا، نوائے ادب، ماہ اپریل ۱۹۵۳ء، جلد ۴، شمارہ ۲، ص ۲۴

۱۷۔حضرت شاہ کمال الدین بخاریؒ، کلماتِ کمالیہ ص ۲۰۸

۱۸۔ایضاً

۱۹۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ص ۳۴۹

۲۰۔سید عارف نعمانی، تذکرہ حضرت شاہ طاہر قادری، ص ۴

۲۱۔صدیق احمد، کرنول میں اردو شعر وادب کی ترقی، ص ۹۵

۲۲۔سید عارف نعمانی، تذکرہ حضرت شاہ طاہر قادری، ص ۱۲

۲۳۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو،ص ۴۳۱
۲۴۔ماہنامہ شاہین کرنول، مئی ۱۹۸۴ء،ص ۱۴
۲۵۔صدیق احمد، کرنول میں اردو شعر وادب کی ترقی،ص ۹۵
۲۶۔حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاری، ارشادِ نوریہ،ص ۷۶
۲۷۔حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاریؒ، تجلّیٔ انوار،ص ۳۱۱
۲۸۔حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاریؒ، حقیقت المحققین،ص ۲۶
۲۹۔سید محمود بخاری، شہ میری اولیاء، نامی پریس، حیدرآباد،ص ۱۰۰
۳۰۔سید محمود بخاری، رسالۂ اللطیف،ص ۱۵۶
۳۱۔حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاریؒ، تجلّیٔ انوار،ص ۲۰۰
۳۲۔سید محمود بخاری، شہ میری اولیاء، نامی پریس، حیدرآباد،ص ۱۰۰
۳۳۔امام محی الدین خان صاحب حامؔی، اثرِ اعتقاد،ص ۲۵
۳۴۔حضرت جلال الدین اکمؔل، مقصود السالکین،ص ۳۷
۳۵۔سخاوت مرزا، نوائے ادب، ماہ اپریل ۱۹۵۳ء، جلد ۴، شمارہ ۲،ص ۲۸
۳۶۔ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، وضاحتی فہرست، جلد سوم، ادارۂ ادبیاتِ اردو،ص ۲۰۷
۳۷۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ،ص ۶۸۷
۳۸۔سید محمود بخاری، شہ میری اولیاء، نامی پریس، حیدرآباد،ص ۱۱۳
۳۹۔ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ،ص ۶۲
۴۰۔ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، وضاحتی فہرست، جلد سوم، ادارۂ ادبیاتِ اردو،ص ۲۰۷
۴۱۔سید محمود بخاری، شہ میری اولیاء، نامی پریس، حیدرآباد،ص ۷۱
۴۲۔شجرۂ خاندانی
۴۳۔سید محمود بخاری، پیش لفظ، دیوانِ شاہ میرؔ،ص ۲۸
۴۴۔سلوک (رسالہ)، شہ میریہ اکیڈیمی، ۱۹۹۱ء،ص ۷۹

بابِ چہارم

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی اور لسانی مطالعہ

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی مطالعہ

ادب سماج کا عکس ہے، سماج کا راست ربط، تہذیب وتمدن سے ہوتا ہے۔اس طرح زبانوں کا رشتہ تہذیبوں پر استوار ہے، بلکہ تہذیب میں جو عناصر واجزاء شامل ہوتے ہیں، ان میں زبان بھی ایک اہم اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔زبان وادب اور تہذیب کے درمیان بہت گہرا رشتہ ہے۔ ہر تہذیب کسی نہ کسی زبان کو اپنا لیتی ہے اور ہر زبان کسی نہ کسی تہذیب میں ڈھل جاتی ہے۔سماج کے تہذیبی پہلوؤں کا اظہار ادب میں کیا جاتا ہے۔

تہذیب سے مراد انسان کا نظامِ فکر ہے، جس میں عقائد، نظریات، خیالات اور افکار شامل ہوتے ہیں۔ پروفیسر عتیق اللہ کے الفاظ میں:

> ''تہذیب نام ہے اس اجتماعی معاشرت کا، جس میں باہمی ذہنی اور مادی شمولیتیں اور شرکتیں ، انسانی احتیاجات اور ضروریات کی تشکیل وتکمیل کرتی ہیں۔نیز انسانی اقدار ی ماحول کی پرورش کرتی ہیں'' (متعلقاتِ تہذیب اور ادب، ص:۴ اشاریہ، ماہنامہ کتاب نما، دسمبر ۱۹۹۵ء) ۱

تہذیب معاشرتی شعور کے ارتقا کا مظہر ہے۔اس طرح تہذیب وثقافت کا راست تعلق ذہن سے ہوتا ہے ۔جس کی عملی شکل کو تمدن کہا جاہے۔تمدن رہن سہن اور طرزِ معاشرت سے عبارت ہے۔بقول ڈاکٹر رشید حسن خاں:

> ''تہذیب ایک ایسا نقش ہے جس کو تہہ نشین ہونے سنورنے کے لئے خاصی لمبی مدت درکار ہوتی ہے، یہاں ضابطے بنتے ہیں۔بنائے نہیں جاتے۔بے شمار عناصر قدرتی طور سے آویزش وآمیزش کے تہہ درتہہ عمل سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، اور بنتے اور مٹتے رہتے ہیں، تب صورتوں کی نمود ہوتی ہے۔'' (گذشتہ لکھنؤ/مقدمہ بقلم رشید حسن خاں' اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، ص:۲۰۴ ڈاکٹر کامل قریشی، اردو اکیڈمی، دہلی) ۲

اردو کے ممتاز ناقد شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں بھی ایک خاص لسانی تہذیب کا تصور موجود ہے، جسے ہم صوفیائے کرام کے دکنی کلام کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔موصوف لکھتے ہیں:

''ہر تہذیب اپنے اصول آپ مقرر کرتی ہے'اس کی بنیادی اور بالکل سامنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر تہذیب' کائنات اوراس کے مسائل کو برتنے کے وہ طریقے ہی ایجاد یا حاصل کرتی ہے جواس کے داخلی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔تہذیبیں' اپنے رویئے اور طریقے' اپنے نظریۂ حیات پر قائم کرتی ہیں۔تہذیب کا سب سے پرقوت اور مؤثر اظہار'ادب' ہے۔ہر تہذیب اپنے طور پر طے کرتی ہے کہ ہم کس چیز کوادب کہیں گے اور بحیثیتِ ادب کس چیز کو کتنی قیمت دیں گے۔''(بحوالۂ متعلقاتِ تہذیب اورادب،اشاریہ-از پروفیسر عتیق اللہ ماہنامہ کتاب نما،دسمبر ۱۹۹۵ء،ص:۱۵)۳؎

تہذیبی مطالعے کے سیاق وسباق میں صوفیانہ شاعری کا تہذیبی مطالعہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ تصوف' اردو زبان وادب میں پیوست ہو چکا ہے۔تصوف کی روایات ومعتقدات،مخصوص لفظیات، اشارات وتلمیحات،اور رواج ورسم اردو زبان وتہذیب میں ڈھلے ہوئے ہیں۔اردو زبان میں تصوف کی بے شمار اصطلاحات اور تعبیرات ملتی ہیں۔اردو کے محاوروں، کہاوتوں اور ضرب الامثال میں بھی تصوف سے متعلق پہلو ملتے ہیں' جس کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان کے مزاج ہی میں تصوف کے عناصر اور اجزاء شامل ہیں' اور یہی وجہ ہے کہ اردو کی تہذیب وثقافت اور تمدن ومعاشرت پر تصوف کے گہرے اور اَنمٹ نقوش پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر اردو شاعری میں فارسی شاعری کے توسط سے متصوفانہ روایات' جزوِمزاج کی حیثیت سے پیوست ہو گئیں۔ بالخصوص' تصوف کی روایات تو اردو غزل میں رچی بسی ہوئی ہیں اور جزولاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں۔متصوفانہ شعراء کے کلام کی مقبولیت کے پیشِ نظر' بالعموم شعرائے اردو نے بھی غزل میں تصوف کے مضامین کو بطورِ فیشن یا رواجِ زمانہ سے متاثر ہو کر باندھا ہے۔ جب کہ اولیائے کرام اور اہل اللہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے' بلکہ علاقۂ رائل سیما کے دکنی زبان کے متصوفانہ شعراء نے تو رسماً نہیں بلکہ محرمِ راز ہو کر مسائلِ تصوف کی ترجمانی کی ہے' کیونکہ وہ خود مئے معرفت کے

لذت شناس، عارف باللہ اور سالک راہِ طریقت تھے‘ بلا شبہ صوفی شعراء نے اپنے کلام میں تصوف کے اسرار و رموز کے گنجینے پیش کئے ہیں۔

سب سے پہلے صوفیائے کرام ہی نے اردو زبان کو اپنایا‘ جو رابطے کی عوامی زبان کی حیثیت اختیار کر رہی تھی۔ چوں کہ آندھرا پردیش کے علاقۂ رائل سیما کے صوفیائے کرام نے بھی اپنے اخلاقی اور روحانی خیالات کے اظہار کا ذریعہ اس عہد کی دکنی زبان کو بنایا۔ چناں چہ دکنی زبان کے مروجہ اسالیب اور لہجوں میں صوفیائے کرام نے گراں قدر علومِ تصوف اور عرفان و معرفت کے موضوعات بیان کئے ہیں۔

ہر شاعری کی اپنی روایات ہوتی ہیں، شاعروں کے رویّے اور ان کے ضابطے تہذیبی عناصر کے ارتقاء میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ شعراء کے ادبی تراکیب، ان کے استعمالات اور شاعری کی لفظیات اور اُس کے مدلولات، خاص طور پر شعری اصطلاحات سے شاعری کی تہذیبی سطح کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

شاعری کسی بھی قوم یا کسی بھی طبقے کے فکر و نظر اور اس کے افکار و خیالات کا پرتو ہوتی ہے۔ کسی بھی فرد یا اجتماعیت کے احساسات، نظریات، خیالات اور اجتماعی تحت الشعور کی جلوہ گری‘ شاعری میں جھلکتی ہے۔ لہٰذا شاعری کے سیاق میں مختلف النوع تہذیبی امور اور تہذیبی سطحوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

تہذیبی مطالعہ کے تناظر میں‘ اگر صوفیانہ شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ تصوف و سلوک اور معرفت و طریقت سے متعلق موضوعات اور اس کے متعلقات اردو شاعری کے مزاج میں پیوست ہو چکے ہیں۔ صوفیانہ شاعری کے علاوہ بھی عام اردو شاعری میں بھی صوفیانہ اصطلاحات اور تراکیب جزوِ مزاج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں اُس عہد کی تہذیبی و تمدنی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ اس دور کی رسوم و رواج، لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ پیش برتاؤ کے مختلف انداز اور اُس دور میں مروج شادی بیاہ کے رسم و رواج اور اس قبیل کی بہت سے امور اور ان تمام کی تہذیبی اساس ہمیں صوفیانہ کلام کے مطالعہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر کرنول کے حضرت شاہ فی الحال نے اپنے دکنی دیوان میں کئی مثنویوں کو شامل کیا ہے۔آپ کے یہاں اُس عہد کے دستور کے مطابق ''ناموں'' کا رواج تھا، جیسے چکی نامہ، بودنامہ، پیت نامہ، شادی نامہ، ارشادنامہ وغیرہ۔

حضرت شاہ فی الحال کے کلیات میں شامل مثنوی ''شادی نامہ'' میں تہذیبی امور کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔اس میں ایک شادی کی تفصیل کے تمثیلی پردے میں رموزِ عرفان وسلوک پیش کئے گئے ہیں۔اس عہد کی تہذیبی جھلکیاں جیسے: شادی بیاہ میں گانے گانا، منجے بٹھانا، ہلدی لگانا، چکسا لگانا، وغیرہ

چِکسا پینے خاطر نئیں جوں کس جا بھاتا
سہاگن بھاگن سوں چکسا پیسے جاتا
چکسا چکسا کہے تو چکسے کا کیا معنا
سائین سوں ہل مل کو اپنے سائیں ہونا
دولا دُلہن دونوں آپس میں بے گانے
وحدت کے ہاتاں سوں اثبات چکسا چھانے
سارے سہیلیاں مل کو ذاتی گیتاں گایاں
انا نور کی ہلدی عارس کوں لگایاں!

مزید اشعار میں خواتین کے زیورات وملبوسات اوراس کی تفصیلات ملاحظہ کیجئے:

سِس پھل ، مانگ ٹیلا، ثلاثی کا لائے
کِرن پھول، جھمکے، چھلّہ، ترکوٹھی بنائے
ہمت کی کمر پٹی، میا کے پانوں زیباں
سمجھ کے بھیج جنداں سمرت کے گھنگرواں
یقین کے لے پشوازا زادی کی چولی
شرم کا پائجامہ پینے عارس بولی

وجہہ اللہ کنگن معرفت کی کھنڈی
ظاہر باطن ملکو مالیدے کی پنڈی
ناسوت کا پائجامہ، ملکوتی کا جامہ
جبروت کا کمر بند معرفت کا عمامہ
نوشو بابا پینے لباس سارا اپنا
دولہے کے دل میں تھا عارس کے گھر جانا

مندرجہ بالا اشعار میں کئی زیورات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مانگ ٹیلا، سس پھل، کرن پھول، چھلّہ، ترکوٹھی اور کمر پٹّی وغیرہ۔ مانگ ٹیلا کا رواج اب کم ہو گیا ہے۔ ورنہ پہلے یہ دلہن کا پسندیدہ زیور ہوا کرتا تھا۔ مانگ ٹیلا دلہن کی مانگ میں سجایا جاتا ہے۔ یہ ایک سونے چین اور سونے کے ڈالر سے بنتا ہے۔ چھلّہ پاؤں کی انگلیوں میں پہنایا جاتا ہے۔ یہ ہندووں کی تہذیب ہے اور آج بھی مسلمانوں میں رائج ہے۔ کرن پھول بھی کان کا ایک زیور ہے۔ کرن پھول کو گوشوارہ یا کان کا بالا بھی کہتے ہیں۔

اس شادی نامے میں اُس عہد کی شادی بیاہ کی رسموں کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ جزئیات نگاری سے کام لیا گیا ہے۔ جیسے آتش بازی کرنا، چوک بھرنا، چوکھی بچھانا، گیتوں کا گانا، منڈپ سجانا، دولہے کو شہر گشت نکالنا، باجے، بجنتر، مردنگ، ڈھول بجانا، سہرا باندھنا، دولہے پر سے صدقہ وارنا، تمکین کے طبق میں شکر پان کو پیش کرنا اور خوشی کے موقعہ پر شکر بھات کھلانا وغیرہ۔

صوفیائے کرام نے دکنی ادب میں جن مقبولِ عام اصناف کو اختیار کیا اور پروان چڑھایا' ان میں چند قابلِ ذکر شعری اصناف یہ ہیں: سہیلا، جکری، سکھ سہیلا، تسبی، ارشادنامہ، معراج نامہ، پند نامہ، ضیافت نامہ اور چکی نامہ وغیرہ۔

اِن شعری اصناف کے مختلف مواقع متعین ہیں' جن میں ان منظومات کو پڑھا جاتا ہے اور ایک مخصوص لَے اور آہنگ بھی ان کے لئے متعین ہے۔ اس طرح ان ناموں کو پڑھنے کا ایک مخصوص کلچر زمانۂ قدیم سے مروج ہے۔

چکی نامے' درحقیقت چکی پیسنے کے وقت' ذہن کو کام کاج سے ہٹا کر کسی علمی و دینی شغل میں

مصروف کرنے کی شعوری کوشش ہیں۔موضوع کے اعتبار سے اس میں کافی تنوع پایا جاتا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ علامتی واستعاراتی فضا اس میں قائم ہو اور مضامین میں پند ونصائح، ذکرِ خداوندی، انسان کی حقیقت، دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی اہمیت اور عرفانِ ذات اور خالقِ کائنات وغیرہ موضوعات ہی پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔معارف، اسرار وحِکم اور رموزِ تصوف وعرفان کو پیش کیا جانا بھی ضروری ہے۔

حضرت شاہ کمالؒ کے عہد میں قدیم دکنی شعری روایات موجود تھیں۔جن کا تتبع کیا جانا اُس عہد کے مقتضائے شاعری کے موافق تھا۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس عہد کی مروجہ اصناف پر طبع آزمائی کی۔ضیافت نامہ، معراج نامہ اور چکی نامہ اسی عہد کے مروج اسالیبِ اظہار تھے۔

حضرت شاہ کمالؒ کے کلام میں قدیم شعری صنعت اور اُس عہد کی مقبول صنفِ سخن ''چکّی نامہ'' پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔آپ کا یہ 'چکی نامہ' درحقیقت علوم ومعارف کا خزانہ ہے، جس میں آپ نے تصوف ومعرفت اور سلوک وعرفان کے پیچیدہ مسائل کو نہایت سلیس اور عام فہم اسلوب میں پیش کر دیا ہے۔چکی نامہ عام فہم اور اُس عہد میں مروج قدیم دکنی اردو زبان میں کہا گیا ہے۔یہ چکی نامہ آج بھی زبان زدِ خاص وعام اور عوامی ادب کا شاہ کار ہے۔

حضرت شاہ کمالؒ کی مثنوی 'چکی نامہ' کا ایک تہذیبی پہلو یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دور میں چکیوں کا رواج تھا، خواتین چکی پیسنے کے دوران میں مختلف قسم کے صوفیانہ کلام پڑھتی یا گنگناتی تھیں۔استعاراتی اور اشاراتی پیرایۂ بیان بھی عام تھا کہ پردہ نشین خواتین بھی چکی اور چکی کے متعلقات کے حوالے سے عرفان ومعرفت کے مضامین کو سمجھ سکتی تھیں۔بالعموم چکی پیسنے کے دوران کئی خواتین مل جل کر ایک ساتھ چکی نامہ پڑھتی اور ساتھ ساتھ چکیاں پیستی تھیں۔

چکی ناموں کے ساتھ ایک اور بات یہ بھی مخصوص ہے کہ متبرک اور صوفیانہ کلام ہونے کی وجہ سے اکثر شادی بیاہ کے مواقع پر بھی اسے گیت کی طرح پڑھا جاتا ہے۔کئی خواتین مل کر ایک ساتھ پڑھتی ہیں، جس سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔یہ تہذیبی اکائی اور رسم ورواج آج بھی رائل سیما کے علاقے میں پایا جاتا ہے۔

چکی نامہ حضرت شاہ کمالؒ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم
بِفَضلِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں بولوں گی
ثناء اور صفت کے موتیوں کو رولوں گی
بسم اللہ بسم اللہ سُمرن میرے من کا
ہر دم ہے وظیفہ ناؤں اُس ساجن کا
بسم اللہ جو ناری یکباری کہے گی
بدی اُس کی ذرّی باقی نہ رہے گی
بسم اللہ کہنے میں شیطاں یوں جل جاتا
اگن کے درمیانے کتّھل جوں گل جاتا
بسم اللہ جو سندر صدق سے کہے گی
دور پار ہو دوزخ سے جنت میں رہے گی
بسم اللہ سے حق نے سنوارا قرآں کو
جیسے چندر سورج تاروں سے آسماں کو
بسم اللہ میں الحمد الحمد میں مصحف سب
بسم اللہ کے بے کے نقطے میں سب مطلب
بسم اللہ کی نیہ کی مدن کی ماتی ہوں
پل پل اس ناؤں کے صدقے میں جاتی ہوں
بسم اللہ میں پیاری اس تن سے چھٹ جانا
مسمیٰ میں بعد از میں پن سے اُٹھ جانا
بسم اللہ سے کرنا چکی کا ابتداء
وحدت کے آٹے میں برکت دے گا خدا

بسم اللہ کے بل سے چکی میں پھراؤں
کامل سب صفتاں سے ساجن کو سراؤں
سہیلیاں گُل مل کے نول چکی میانے
دوئی کے خطروں کو بھا کے پیسو دانے
اقرار کا ہے کھونٹا تصدیق کی ہے میانی
نفی کے ہاتھوں سے اثبات چکسا چھانی
عینیت غیریت چکی کے دو پاٹاں
اللہ اور نبیؑ سے ملنے کے وہ باٹاں
چکی کو پھرانا ارشاد کی قوت سے
ہُو ہُو آواز اُس میں آتا ہے قدرت سے
پیسنا اس چکی کا انبھیائی کو نئیں آتا
سہاگن کے ہاتھوں سے چکسا پیسے جاتا
اول تو یہ چکی دولہا نے پھرایا
تِس پیچھے دلہن کو پھرانے سکھایا
بعد از ساری بیویاں دلہن سے سیکھیاں ہیں
زبان پر راکھیاں ہیں دلوں میں لکھیاں ہیں
اِلاّ اللہ فرما کے اثبات اپنی جوڑا
لا کہہ کے اللہ نے بولو کس کو چھوڑا
لازم ہے ناریاں پو اول پیو کو پانا
حاصل کیا نہ پا کو خالی گیتاں گانا
میں نئیں ہوں یا ہے ہوں یا رب ہوں یا بندی
بو جی نئیں سو ناری دونوں جگ میں اندھی

خدا ہونا ہو تو خودی کا سر مونڈھو
خودی کھونا ہے تو کامل مرشد ڈھونڈو
دل کا صندوق کھولو کلمہ کی لیئو کونجی
اللہ کی پہچانت اُس میں مایا پونجی
دولہا اور دلہن کے جلوہ کی رات آئی
میں سو تو تو سو میں کیا بہتر بات آئی
حقیقت میں دلہن دولہا سے بیگانی
دولہا جَم جَم باقی دلہن نِت نِت فانی
پھر دیکھوں تو ایک ہے دولہا دلہن دو مل
جدائی اور دوری دونوں میں نئیں یک تِل
اٹھا ساتوں پردے دیکھ پیئو کی مورت
ہے پن جس کا معنیٰ میں پن جس کی مورت
نا او دولہا میرا نہ میں اس کی دلہن
جو کچھ نئیں سو میں اور جو کچھ ہے سو لالن
حقیقت دُلہن کی عدم ہے امکانی
ماہیت دولہے کی ہستی ہے وحدانی
دولہے کا وہ ہے پن ، دلہن کا وہ نئیں پن
یک یک کی ماہیت یک یک کا ہے درپن
دولہے کی صورت سے دولہا خود ظاہر ہے
دولہے کی ہستی سے دُلہن کب باہر ہے
دانائی تجی ہوں دیوانی ہوں پیئو کی
رتی نئیں رکھتی ہوں پروا اپنے جیئو کی

پریم کا پیالہ بھر بھر کے دیئے مجھ
شہمیر پیر کی واری متوالی کیئے مجھ
بختاں سے پائی ہوں ایسا مرشدِ کامل
شریعت پو ثابت حقیقت سے واصل
گیانی سندر ہو سو بوجے میرے بتیاں
ست گت کے کاجل سے روشن جس کے نیناں
ایسا چاتر دُھن کوئی گاوے
چکی کے گھونگھٹ میں پیئو کا مکھ نجھاوے
ہر شئے اللہ ہے کر یقین دھر کمالؔی
دوئی کے گماں سے اپس کو کر خالی

کرنول کے ممتاز صوفی شاعر حضرت شاہ فی الحال کرنولی کا چکی نامہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔آپ نے اپنے چکی نامے میں چکی کے متعلقات وغیرہ کا استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ ہی حضرت شاہ کمالؔ کی طرح چکی کے متعلقات کا ذکر کرکے استعاراتی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، چکی نامے سے آپ کا مقصودٔ مضامینِ تصوف وسلوک کا بیان ہے۔ابتداء میں خواتین سے خطاب کیا گیا ہے، اور اسرارِ معرفت پیش کیئے گئے ہیں:

سنو ماواں بھاناں اللہ کو سرانا
ہر شئے میں اللہ ہے اول اس کو پانا
سارے سہیلیاں ملکو غفلت کا سر مونڈو
اللہ کے پانے کو کامل مرشد ڈھونڈو
کامل کامل کے (کہے) تو کامل کا کیا معنا
اللہ ہور نبی کو ہر شئے میانے پانا
شرم کے رہنے میں حاصل کچھ نئیں بہنا

دم کا نئیں بھروسہ، عمّر ناحق کھونا
یہاں سو وہاں اندھے ، اللہ صاحب بولے
ہدایت کا مطلب نقطے میانے کھولے
جاں سوں آئے، وھاں سوں جانا، جولائے سو لے جانا
ایسا بھید سہیلی کامل پیر سوں پانا
ہر شئے میں صفت ہے اس میں ذات خدا کی
ظاہر ہور باطن میں صورت سب پیا کی

اس کے بعد چکی نامے میں شریعت وطریقت کے تلازم کے بارے میں فرماتے ہیں:

شریعت طریقت چکی کے دو پاٹاں
اللہ کو پانے کے سمجھو دو ہی باتاں

اس کے بعد چکی نامے میں، چکی پیسنے کی مخصوص تہذیبی اکائی اوراس کے متعلقات کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

سارے سہیلیاں ملکو چکی کو پھراؤ
ھُو ھُو کی آواز میں ذاتی گیتاں گاؤ
سُہاگن کے گیتاں انھیاں کو نئیں آتے
گانے کو گاتے تو ہرگز نئیں سُہاتے
انھیاں کو نئیں آتا چکی کا پھرانا
سُہاگن کو لازم پیئو پو گیتاں گانا
کثرت کی جاری کو وحدت کی چکی میں
پیسو ہلّو ہلّو گیتاں گاؤں گی میں!
ایسا چکّی نامہ دل سوں رات دن پڑنا
چکّی کے گھونگھٹ میں باتاں پیئو پو کرنا!

''صندل نامہ'' بھی رائل سیما کی دکنی شاعری کی ایک خاص صنف ہے۔اس صنف کے معرضِ وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تصوف کے رسمیات میں صوفیائے کرام کے اعراس کے مواقع پر صندل کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور اُس دن کا نام ہی صندل رکھا جاتا ہے۔صوفیائے کرام کے مزارات پر صندل لے جانے اور چڑھانے کی ایک مخصوص روایت چلی آرہی ہے۔اس ضرورت کی تکمیل کے لئے صندل نامے کی صنف کا دکنی صوفی شاعری میں اہتمام کیا جاتا ہے۔صندل نامے کے ساتھ ساتھ ''منقبت'' یا منقبتی کلام بھی پڑھا جاتا ہے۔رائل سیما کے صوفی شاعر حضرت عبدالحق شاہ میر ثالث (کڈپہ) کے کلام میں صندل نامے پائے جاتے ہیں۔

صندل نامے میں صندل کے مخصوص اعمال اور اس سے متعلق امور اور رسوم کا تذکرہ ملتا ہے۔یہ ایک مخصوص تہذیبی اکائی ہے، جس کا تذکرہ صندل ناموں میں ملتا ہے۔

حضرت عبدالحق شاہ میر ثالث نے اپنے جداعلیٰ کا صندل نامہ لکھا ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

صندل ہے آج حضرت شہہ میر پیر کا
عالم کے رہنما و مرے دستگیر کا !

اس صندل نامے میں آپ نے ہدایت دی ہے کہ صندل میں مشک' حنا' عنبر' گلاب اور عطر و عبیر کو شامل کیا جائے' جس سے مہک اور خوشبو میں اضافہ ہو سکے۔اسی کے ساتھ ساتھ صندل کی یہ تہذیب بھی ہے کہ سبھی شرکاء ادب سے صندل حاصل کریں اور نظم وضبط کی پابندی کریں ۔

حل کرکے مشک اور حنا ، عنبر و گُلاب
صندل بنا کے لاتے ہیں عطر و عبیر کا
لیتے ہیں سب ادب سے یقیں ان کے دل میں ہے
ہے تحفۂ خاص و عام صغیر و کبیر کا

اسی طرح ایک اور صندل نامے میں جو حضرت شاہ میر اولیاء (تلپولہ) کے صندل کے موقعے پر کہا گیا ہے جس میں صندل اور عرس کی مخصوص تہذیبی پاسداری اور منظرکشی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ جیسے صندل کی تعظیم کو کھڑے ہوجانا، صندل کو صف بہ صف احترام کے ساتھ لے جانا، درود وسلام پڑھتے

ہوئے جانا اور صندل کا دن ہونے کی تشہیر کرنا وغیرہ اہم ہیں:

آج شہہ میر پیر کا صندل
ہے مرے دستگیر کا صندل
صف بہ صف با ادبؑ قدم بہ قدم
لئے چلتے ہیں میر کا صندل
عارفوں میں یہ شور ہے لے لو
صوفیوں کے میر کا صندل
اٹھو تعظیم کو مسلمانو!
آیا شہ میر پیر کا صندل
آیا کس شان و شوکت و فر سے
پیر شہ میر پیر کا صندل!
لو درود و سلام پڑھتے ہوئے
مرشدِ بے نظیر کا صندل
کردو تشہیر خلق میں شہ میرؔ
آج ہے شاہ میر کا صندل !!

معرفت کے رموز و اسرار کو سمجھنے کے لیے ایک کامل مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ہماری تہذیب کا حصّہ رہا ہے کہ کامیاب زندگی کے لیے ایک مرشدِ کامل کو ڈھونڈا جاتا تھا۔ لہٰذا رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنے کلام میں کامل مرشد کو پانے کی تلقین کرتے ہیں۔ مثالیں درج ہیں:

؎

لازم ہے ناریاں پواول پیو کو پانا
حاصل کیا نہ پا کو خالی گیتاں گانا

؎

سارے سہیلیاں ملکو غفلت کا سر مونڈو
اللہ کے پانے کو کامل مرشد دھونڈو

اسی طرح علمِ تصوف اور راہِ سلوک کی ایک مخصوص اصطلاح 'تصورِ شیخ' کی ہے۔ پیر ومرشد کی اتباع اور اطاعت وفرمانبرداری' تصوف کی جان ہے۔ اسی لئے حافظ شیرازی نے بھی کہا تھا ؂

بمَے سجادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید   کہ سالک بےخبر نہ بود ز راہ ورسمِ منزلہا!

چناں چہ حضرت شاہ کمال، حضرت شاہ فی الحال اور رائل سیما کے دیگر صوفی شعراء کے کلام میں ایک بات یہ محسوس کی جاسکتی ہے کہ ان کے صوفیانہ کلام میں اپنے شیخ اور پیر ومرشد کا لازماً ذکر ملتا ہے۔ اکثر غزلوں کے مقطع میں یا پھر مقطع سے پہلے غزل کے آخری شعر میں' اپنے پیر ومرشد کا نام' احترام کے ساتھ لیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی غزل کی تہذیب ہے' جس کی پاسداری صرف قدیم دکنی کلام ہی میں ملتی ہے۔ صرف دو دو مثالیں یہاں درج ہیں:

؂

حق طالب ومرید ہے پس کیوں نہ ہووے خلق
شہمیر پیر و مرشدِ عالی جناب کا!

؂

اے شاہ میر دوران جانِ کمالؔ قربان
تجھ کفش پر جو کیتا کشف اس پہ راز مشکل

؂

فیض ہے روزِ ازل سوں تا ابدفی الحال دیکھ
قدرت اللہ پیر کامل عارف باللہ کا!

؂

مرادِ دل دو جہاں ہے اسکے آئینہ میں اے فی الحال!

وہ سید قدرت اللہ پیر کامل رہنما دِستا!

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں کئی جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ رائل سیما کے صوفیاء نے اپنے کلام میں اپنے پیر و مرشد کی قدمبوسی کا ذکر کیا ہے۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدمبوسی بھی یہاں کی تہذیب کا ایک حصّہ ہے۔صوفیاء اکرام کا یہ عقیدہ تھا کہ پیر و مرشد کو تعظیمی قدمبوسی جائز ہے۔حضورﷺ نے کہا کہ ماں کے قدموں میں جنت ہے اور باپ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔جب ماں کے قدموں میں جنت ہے تو پھر قدمبوسی کیا چیز ہے۔شاید علامہ اقبالؔ اسی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم

مرشد یا استاد کی قدمبوسی کو جائز قرار دیتے ہوئے حضرت مولانا غوثوی شاہ صاحب اپنی تصنیف ''عقائدِ سنیّہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''اسکے علاوہ مقدمہ اشعتہ اللمعات میں ہے کہ صحیحین کے مشہور مرشد محدث حضرت امام مسلمؒ نے اپنے استاد حضرتِ امام بخاریؒ کے پاس آتے تو فرماتے کہ آپ اپنا پاؤں پھیلائے تا کہ میں بوسہ دوں۔اس پر حضرت امام بخاری نے پیر پھیلائے اور آپ نے بوسہ دیا۔یہاں معلوم ہوا کہ استاد یا پیر و مرشد یا بڑا بھائی یا بڑی بہن کی بھی قدمبوسی جائز ہے۔'' [۲۲]

الحاصل یہ کہ رائل سیما کے صوفیاء کرام نے اپنے اسلاف کی اس سنت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔اپنے کلام میں اس کا ذکر بھی کیا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدمبوسی کی بھی ایک تہذیب رائل سیما کے صوفیانہ کلام میں ہمیں نظر آتی ہے۔اس ایک آدھ مثال حضرت شاہ کمالؔ کے کلام سے ملاحظہ ہو:

؎

ہے دل کو تولّائے قدم بوس محمدؐ اور جان کو تمنّائے قدم بوس محمدؐ

بازارِ جہاں میں ہے مرے سر کو میسر — سودسر سودائے قدم بوس محمدؐ
کیوں بندگی اور سجدہ قبول اس کا کرے حق — جس کو نہیں پروائے قدم بوس محمدؐ
یک بارتو دے بارِ خدایا — دربزم دلاسائے قدم بوس محمدؐ
دو نین ترستے ہیں مرے دیکھنے یارب — ہرلحظہ تماشائے قدم بوس محمدؐ
یہ بینی و پیشانی مشتاق کو میرے — کرسجدہ گہ وجائے قدم بوس محمدؐ
کرتے ہیں طلب دولب تجھ سے اے منعم — ہے گرسنہ حلوائے قدم بوس محمدؐ
موسیٰ کے نمط نفس کے فرعون کو زبوں کر — دے مجھ ید بیضائے قدم بوس محمدؐ
دریائے قدم کی ہے قسم تجھ کو مرے ہاتھ — دے لولوئے لالائے قدم بوس محمدؐ
پیش از اجل و بعث مجھے کرتو مقامی — درجنت ماوائے قدم بوس محمدؐ
ہے میرے دو رخسار کو بسشوق کہ ہوویں — نعلین زمیں سائے قدم بوس محمدؐ
اے قاضی حاجات مجھے تیری قضا سے — ہردم ہے تقاضائے قدم بوس محمدؐ
من بعد تری رویت مطلق کے نہیں ہے — کوئی مرتبہ بالائے قدم بوس محمدؐ
القصہ مراروح ودل ونفس وجدکر — قربان سراپائے قدم بوس محمدؐ
شہمیر کے مانند کمالؔ کو عنایت — کر رتبۂ والائے قدم بوس محمدؐ

حضرت شاہ کمالؔ کے کلام سے قدمبوسی پر یہ شعر ملاحظہ ہو ۔

ہوں خاک تجھ قدم کا یا پیر غوث الاعظمؒ
محتاج تجھ کرم کا، یا پیر غوث الاعظمؒ
یا پیر سر دھرونگا تمہارے قدم کے پیش
ہر چند ضربِ کفش سے زیر وزبر کرو

حضرت شاہ کمالؔ پیرومرشد کی قدم بوسی کو ہزار سال کے صوم وصلوٰۃ سے بہتر قرار دیتے ہیں۔آپ کی تصنیف ''خرمنِ کمال'' سے یہ شعر ملاحظہ ہو ۔

شہمیر کے قدم پر اک آن سر کو رکھا
بہتر زالف سالہ صوم وصلوٰۃ دیکھا

اس مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء نے اپنے کلام میں رائل سیما کی تہذیب وتمدن کو پیش کیا ہے۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا ادبی مطالعہ

رائل سیما کے صوفی شعراء نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ جیسے غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، حمد، نعت، مناجات، منقبت، منظوم داستان، سلام، ریختی وغیرہ۔ بعض غزلیات کی زمیں کافی مشکل ہے۔ لیکن انھوں نے اس مشکل زمین میں بھی تصوف کے نازک مسائل اور اسرار و رموز کو چابک دستی کے ساتھ بیان کیا ہے اور فن کے آداب کا خیال رکھا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن کے حدود میں رہ کر بھی اپنی تعلیمات اور تصوف کے اسرار کی گرہ کشائی پر قادر تھے۔ تصوف کے مسائل کو بیان کرنے کے لئے رائل سیما کے صوفی شعراء نے غزلوں کا سہارا لیا اور ان غزلوں سے وہ اپنے وارداتِ قلبی کا اظہار بھی کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اردو کے اہم اہم اور نامور شعراء کے کلام کا انھوں نے جواب بھی دیا ہے۔ خانقاہِ شہ میریہ کے ایک صوفی شاعر حضرت بیرنگؔ نے سوداؔ کے ایک شعر کا جواب دیا ہے۔

سوداؔ کا شعر۔

سوداؔ ہزار حیف کہ ہم اس جہان میں
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے؟

حضرت بیرنگؔ نے قرآنِ پاک کی یہ آیتِ کریمہ: یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکَ رَاضِیَۃً مَرْضِیَّۃً کے تناظر میں سوداؔ کے شعر کا جواب دیا جس سے آپ کے اطمنانِ قلبی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ حضرت بیرنگؔ کا شعر۔

بیرنگؔ ہزار شکر کہ اس جہان میں
وہ کر چلے کہ آئے تھے جس کام کے لئے

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ریختیاں بھی ملتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رائل سیما کے صوفی شعراء نے ریختی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ریختی میں عورت کی طرف سے جذبات کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی اختیار کی جاتی ہے۔ شاہ کمالؔ کے ریختیوں پر ''دکن میں ریختی کا ارتقاء'' میں بدیع حسینی لکھتے ہیں:

''شاہ کمآل ایسے شاعر ہیں جنھوں نے صوفیانہ مضامین کو ریختی کی مخصوصفضاء کے ساتھ خوبصورتی کے ساتھ بنایا ہے۔عاشقانہ جذبات کی ایک حد ہوس پرستیسے جاملتی ہے تو دوسری طرف پاکیزگی طہارت عشق اور عرفان تک جا پہنچتی ہے۔کمآل کے ریختیاں انھیں پاکیزہ جذباتِ عشق کی حامل ہیں اور فن کے لحاظ سے بھی ایک بلند معیار پیش کرتی ہیں۔'' ۵

شاہ کمآل نے اپنے دیوان ''مخزن العرفان'' میں دو مقامات پر ریختی میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان دونوں ریختیوں کی بحر بڑی اور الفاظ زیادہ تر ہندی ہیں۔نسوانی لب ولہجہ سے زیادہ شیرینی گھلاوٹ اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ایک ریختی میں انھوں نے عہدِ الست کی طرف اشارہ کیا ہے۔خدانے عالمِ امثال میں تمام ارواح کو جمع کر کے سوال کیا۔''الست بربکم'' کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے جواب دیا:''قَالُوا بَلٰی '' ذیل کے ابیات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دریغا کر کے لے قولان پیاسوں جگ میں آئی میں
ولے یک قول جو لازم تھا تیوں نیں نبھائی میں!
ہزاران بار ہوئی مجھ سے پیا کے ساتھ بدقولی
ولے ہرگز انھوں سے کب نہ دیکھی بے وفائی میں!

دوسری ریختی میں حضرت شاہ کمآل لکھتے ہیں جب سے محبوب کی محبت کی لذت سے آشنا ہوئی ہوں میری حالت ہی بدل گئی ہے۔اپنی حالت کا اظہار ان ابیات میں کیا ہے۔

تجھ حب کا جب سے لذت پائی ہوں اے دھنی میں
تب سے بندھی ہوں اپنی راحت سے دشمنی میں
قمری نمن لگا کر سب تن کو راکھ اپنے
تجھ سروقد کا رن بن گئی ہوں جوگنی میں

رائل سیما کے صوفی شعراء نے جابجا اپنے عہد کی زبان میں استعمال ہونے والے محاوروں کو بے تکان استعمال کیا ہے۔یہاں کی صوفیانہ شاعری کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رائل

سیما کے صوفی شعراء کو دکنی زبان پر کتنی دست رس حاصل تھی۔انھوں نے تصوف کے مسائل کو بیان کرنے کے لئے جا بجا محاوروں کا استعمال کیا ہے اور ان کی مدد سے انھوں نے اپنے مطالب کی تشریح و توضیح کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کی ایک اہم ادبی خصوصیت یہ ہے کہ محاوروں کا موزوں و مناسب استعمال اور ان کی کثرت ہے۔رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنے کلام میں جن محاوروں کا استعمال کیا ہے ان میں چند یہ ہیں۔سر پر پہاڑ اٹھانا' قدم دھرنا' دریا کو کوزے میں بھرنا' قبر میں پاؤں لٹکانا' دال گلنا' دل چھیننا' خاک ہونا' دل میں گھر بنانا' آنکھیں بچھانا اور ہاتھ ملنا وغیرہ۔اس طرح کے اور کئی محاورے رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ہم کو ہر جگہ نظر آئیں گے۔

محاورہ: محاورہ کے معنی ہیں گفتگو کرنا یا باہم کلام ہونا۔لیکن اہلِ زبان کی اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جو کسی نہ کسی مصدر سے مل کر بنا ہوا اور اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔مثال کے طور پر رائل سیما کی صوفیانہ شاعری سے محاوروں کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

سر پر پربت اٹھانا

؂ سب کساراں پیا کے راہ میں پہونچے جلد منزل کو
چلوں کیوں یہ گنہ کا سرا پر پربت اٹھائی میں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

سر پر پربت اٹھانا کے معنی بوجھ اٹھانا ہے۔یہاں حضرت شاہ کمالؔ نیگناہ کو پربت اٹھانے سے تشبیہ دی ہے۔

قدم دھرنا...

؂ سرکشی اور توسنی کرنے لگا
راہِ شوخی میں قدم دھرنے لگا

(شاہ کمالؔ۔معراج نامہ)

مندرجہ بالا شعر میں قدم دھرنا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کام میں دلچسپی لینا کے ہیں۔ یہاں شاعر نے راہِ شوق کی طرف متوجہ ہونے کے لیے یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔

کوزے میں دریا بھرنا...

؎ صفت اس پیالے کے کہاں تک کروں میں
دریا کوزے میں کیوں کر لیا بھروں میں

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ فی الحال)

مندرجہ بالا شعر میں محاورہ 'دریا کو کوزے میں بھرنا' ہے۔ اس کی معنی بڑی بات کو کم لفظوں میں بیان کرنا کے ہیں۔

پاؤں قبر میں لٹکنا...

؎ سو برس کی زندگی یک آن میں اے غافلاں
قبر میں لٹکے ہیں پاؤاں کب تلک بازی ولاغ

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ فی الحال)

پاؤں قبر میں لٹکنا محاورہ ہے، اس کے معنی موت کے قریب آنا کے ہیں۔

فال دیکھنا

؎ معرفت کی ہم نے دیکھی فال آج
عشق بولیا وصل ہے درحال آج

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ فی الحال)

فال دیکھنا محاورہ ہے اس کے معنی قسمت کو سمجھنا کے ہیں۔

دل چھینا...

؎ یک نظر میں ہی دل کو چھین لیا
یار چھینا ہے دل دلا دے دل

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

دل چھیننا محاورہ ہے اس کے معنی محبت کے ہیں۔

کلیجہ تھامنا...

ے کلیجہ تھام کر ہوں اپنا دونوں ہاتھوں سے
تمہارے غم میں سرگرم بکا ہوں یارسول اللہ

(شاہ میرؔ۔دیوانِ شاہ میر)

کلیجہ تھامنا محاورہ ہے اس کے معنی درد وغم کو برداشت کرنا کے ہیں۔رسول اللہ کی فرقت میں عاشق کلیجہ تھام کر بیٹھا ہے۔

جگ ہنسائی کرنا...

پیا کو اپنے آزردہ کی دشمن کو ان کے خوش
کری لاحول کیا نادانگی اور جگ ہنسائی میں

(شاہ کمالؔ۔دیوانِ مخزن العرفان)

خاک ہو جانا...

ے خاک ہو جاتا ہے یک آن میں وہ جل بھن کر
شمع کے عشق کی آگ ایسی ہے پروانے میں

(شاہ میرؔ۔دیوانِ شاہ میر)

سر دھرنا...

ے یا پیر سر دھروں گا تمہارے قدم کے پیش
ہر چند ضربِ کفش سے زیر و زبر کرو

(شاہ کمالؔ۔دیوانِ مخزن العرفان)

دل میں اپنا گھر بنانا...

ے طلب کسی کی نہیں ہے، نہیں ہے دل خالی
تم ہی تو دل میں گھر اپنا بنائے بیٹھے ہو

(شاہ میرؔ- دیوانِ شاہ میر)

آنکھیں بچھانا...

ے
ہیں منتظر سبھی دیدار کے صغیر و کبیر
تمہاری راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں

(شاہ میرؔ- دیوانِ شاہ میر)

ہاتھ ملنا...

ے
دلبر سے ہو کے آج ہم آغوش ذوق پاؤ
حسرت کے ہاتھ مل کے صبا تلملو نکو

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

بجلی گرانا

ے
وہ منھ کا پھیرنا وہ مسکرانا
اندھیری رات میں بجلی گرانا

(شاہ میرؔ- دیوانِ شاہ میر)

سر کے بل چلنا...

ے
دل کو دیتی جو کبھی طاقتِ رفتار جواب
سر کے بل راہِ مدینے میں میں چلتا جاتا

(شاہ میرؔ- دیوانِ شاہ میر)

سر کے بل چلنا محاورہ کو وجہی نے بھی اپنی مثنوی ''قطب مشتری'' میں پیش کیا ہے۔ قطب مشتری کا یہ شعر ملاحظہ ہو ے

کہ میں سر سوں چل واں تلک جاؤں گی

اپی میں یہاں شاہ کوں لیاؤں گی

کہاوتیں:

؎

موں پو میٹھے ہیں دل منے کھوٹے
نئیں ہے ایمان ان کے تیئں جھوٹے

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ فی الحال)

تشبیہ: تشبیہ ایک شئے کو دوسری شئے کے مثل قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب کی نازکی کو گلاب کی پنکھڑی کے مثل قرار دیا جارہا ہے۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری، ہر طرح فنی اور علمی لحاظ سے اپنے دور کی ترقی یافتہ اور اعلیٰ ادبی نمونہ تھی۔ اس دور میں بھی کلام میں تشبیہات اور استعارات کا استعمال کیا جاتا تھا۔ رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں خوبصورت استعارے اور حسین ودلفریب تشبیہیں بھی موتیوں کی طرح بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں موجود تشبیہات واستعارات کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

؎

اس کاکل کی شباہت ہے ذرا سنبل میں
یار کے رخ کا ذرا گل سے پتا ملتا ہے

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

مندرجہ بالا شعر میں محبوب کے رخ کو گل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

؎

چولے پہ تجھ برہ کے سینہ کے رکھ توے کو
دل اور جگر اپس کا دھنیاں نمن بھنی میں

(شاہ کمالؔ۔ مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں برہ کے چولھا کو سینہ کے توے سے اور دل وجگر کو دھنیاں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

دل اور جگر کو دھنیاں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے

تری خاکِ قدم مجھ چشم کو کحلِ جواہر ہے

ترے نعلین ہیں مجھ سر پہ افسر یا جمال الدین

(شاہ کمالؔ۔ مخزن العرفان)

اس قدموں کی خاک کو کحلِ جواہر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے

محمد کی پیشانی پر جھمکتا ہے قطب تارا

سکی وہ بات ہے مشکل کہ جیسا جاں برآرا

زمیں نئیں آسماں نئیں ہے دیکھو شمس وقمر تارا

محمد پیو ہمارے ہیں پنم کا چاند ہے سارا

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ فی الحال)

مندرج بالا شعر میں رسول اللہ کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے

وہ منھ کا پھیرنا وہ مسکرانا

اندھیری رات میں بجلی گرانا

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

مندرجہ بالا شعر میں منھ کے پھیرنے کو اندھاری رات سے اور مسکرانے کو بجلی گرانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے

تشبیہ کس سے روئے منوّر کو دیجئے

بڑھ کر ہیں مہر وماہ سے رخسارِ مصطفیٰ

(شاہ میؔر۔دیوانِ شاہ میر)

اس شعر میں محمدﷺ کے رخسار کو مہر وماہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے

رخ کو صبحِ بہار کہتے ہیں
ان کے گیسو کو مار کہتے ہیں

(شاہ میؔر۔دیوانِ شاہ میر)

مندرجہ بالا شعر میں رخ کو صبح بہار سے اور گیسو کو مار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ے پینا اس چکی کا انبھیائی کو نئیں آتا
سہاگن کے ہاتھوں سے چکسا پیسے جاتا

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں انبھیائی کے معنی غیر شادی شدہ کے ہیں اور یہ استعارہ ہے اس آدمی کا جسے معرفت کے اسرار نہ معلوم ہو۔اسی طرح اس شعر میں لفظ ''سہاگن'' بھی استعارہ ہے،اس سالک کا جو معرفت کے اسرار سے واقف ہو گیا ہو۔

ے چکی کو پھرانا ارشاد کی قوّت سے
ہُو ہُو آواز اس میں آتا ہے قدرت کا

چکّی ،زندگی کا استعارہ ہے۔

ے اول تو یہ چکّی دولہانے پھرایا
تِس پیچھے دلہن کو پھرانے سکھایا
بعد از ساری بیویاں دلہن سے سیکھیاں
زبان پر راکھیاں ہیں دلوں میں لکھیاں ہیں

مندرجہ بالا شعر میں دولہا اللہ کا استعار، دلہن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا استعارہ اور بیویاں دیگر انبیاء

یا امّت کا استعارہ ہے۔

تشبیہ بالاضافت

ے

گل سے رخسار اپنے دکھا کر
باغِ دل کو مرے کھلانا

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

ے

بلبلہ کی طرح میں مٹ جاؤں
شربتِ وصل اب پلا دینا

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

تلمیحات: کلام میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرنا صنعتِ تلمیح کہلاتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

آج بھی ہو گر ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

اس شعر میں ابراہیم علیہ السلام اور آگ تلمیح ہے۔

رائل سیما کی صوفانہ شاعری میں نہ صرف عمدہ تشبیہات و استعارات سے کلام کو زینت بخشی گئی ہے بلکہ دوسرے شعری محاسن بھی صوفیانہ شاعری کے صوری حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہاں کے صوفی شعراء نے اپنے کلام کو آدم وحوّا، سجدۂ آدم، آبِ حیات، جامِ جم، جنتِ شداد یا باغِ ارم، یوسف کنعان کوہِ طور اور شق القمر وغیرہ جیسی عمدہ تلمیحات سے زینت بخشی ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

ے

کہیں ہم کہ مانند فرعون وشداد ونمرود ودجّال وامثال ان کے
خدائی کا دعویٰ بتوں سے کیا کون انّی انا اللہ کا ہو کے قایل

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں فرعون، شدّاد اور نمرود تلمیح ہے۔

؎

دوسو سال آدم وحوا منائے پیّو کو رو رو کر
مرا انجام کیا ہوگا کہ اک دن نئیں منائی میں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں آدم اور حوا کے رونے کا ذکر ہے، جو تلمیح ہے۔ دراصل اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرتِ ماما حوا علیہ السلام کو جنت سے زمیں پر بھیج دیا تو ان دونوں نے کئی سو سال تک اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگے تھے۔

؎

حیات النبیؐ سے جو واقف ہوئے ہیں
ہر ایک پل میں باغِ ارم دیکھتے ہیں

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ فی الحال)

؎ ڈبا ان کوں پانی میں فرعوں تیوں
ڈبا ان کو ماٹھی میں قاروں تیوں

(شاہ نورؔ۔عقائدِ نوریہ)

اس شعر میں فرعون اور قارون تلمیح ہے۔

؎

جامِ جم میں کہاں ہے یہ تاثیر
شربتِ دید کا ہے جام لذیذ

(شاہ فی الحآل۔ دیوانِ فی الحال)

جام جم کو جام جمشید بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک پیالہ کا نام ہے جس کو ایران کے ایک مشہور بادشاہ نے بنوایا تھا۔ یہ ایک ایسا پیالہ تھا جس میں ساری دنیا کے حالات نظر آتے تھے۔ اردو ادب میں جامِ جم یا جامِ جمشید کو شاہانہ شوکت اور عظمت کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ شعرائے اردو نے اپنے کلام میں اس تلمیح کا بہت استعمال کیا ہے۔ اس کی چند ایک مثال ملاحظہ ہو:

ے اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

ے اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا
نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

ے جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

ے

منصور رہو کھڑا ہیگا ہر تنکا جا بجا
کیا واسطے بیکا کیا اس سرّ انا کے ہات

(شاہ فی الحآل۔ دیوانِ فی الحال)

مندرجہ بالا شعر میں منصور تلمیح ہے۔

ے

گر گئے سجدے کو عُزّ او ہُبل لات ومنات
جس گھڑی کعبہ میں وہ دین کا سلطان آیا

(شاہ میؔر۔ دیوانِ شاہ میر)

اس شعر میں عزّا، ہبل، لات اور منات تلمیح ہے۔ یہ شعر دراصل اس واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس وقت حضرت محمدﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے اس وقت یہ اصنام منہ کے بل گر گئے تھے۔

ے

عرش پر پہنچے جو معراج میں سلطانِ رسلؐ

غل فرشتوں میں تھا اللہ کا مہمان آیا

(شاہ میرؔ- دیوانِ شاہ میر)

اس شعر میں معراج تلمیح ہے۔

ے

یا پیر ہوں تمہارے سرا کا سگِ قدیم

اب جوں صحابِ کہف مجھے تم بشر کرو

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

اس شعر میں اصحابِ کہف تلمیح ہے۔

ے

خودی کے ساتھ جو راہِ خدا میں پاؤں رکھتا ہے

تو جوں باغِ ارم کے سیر کو شداد جاتا ہے

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

ے

حیات النبیؐ سے جو واقف ہوئے ہیں

ہر ایک پل میں باغِ ارم دیکھتے ہیں

(شاہ فی الحالؔ- دیوانِ فی الحال)

شداد قوم عاد کا ایک کافر و مغرور بادشاہ کا نام تھا جس نے خدائی کا دعوٰی کیا تھا۔ اس نے ایک باغ ''باغِ ارم'' بنوایا تھا جو بہشت کے مانند تھا۔ یہ باغ اپنی خوبصورتی اور دلکشی کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھا۔ اس باغ کو طرح طرح کے پھل دار درختوں، فواروں، نہروں اور عالیشان محلات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ باغ تیار ہونے کے بعد ایک روز شداد اس کو دیکھنے کے لئے گیا جیسے ہی اس نے دروازے پر

پہنچا اس کی روح پرواز کر گئی وہ اپنی تیار کی ہوئی جنت کو دیکھ بھی نہ سکا۔ اردو شعراء نے باغِ ارم کو محاورے کے طور پر بہت استعمال کیا ہے۔ علامہ اقبالؔ کا یہ شعر ملاحظہ ہو

ے

کیا سناؤں تمہیں ارم کیا ہے
خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش

ے

شق کیا آپ نے انگلی سے فلک پر جو قمر
ہوئے انگشتِ سبب دیکھ کے سب پیغمبر

(مقبلؔ۔ سراپائے رسول)

ے

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
مہہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

ے

یوسف کنعان نہیں تجھ سا وسیم
عیسیٰ مریم نہیں تجھ سا بسیم

(شاہ کمالؔ۔ مخزن العرفان)

ے

ہو گیا حسن سے تیرے خجل اے ماہِ لقا
دیکھنے کو ترے جب یوسفِ کنعان آیا

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

اردو کے بہت سے شعراء نے حضرتِ یوسفؑ اور زلیخا کے واقعہ کو مدّنظر رکھ کر اپنی شاعری میں ماہِ کنعان، بوئے پیرہن، چاہِ کنعان، پیرِ کنعان، بازارِ مصر، پیراہنِ یوسف جیسے تلمیحات استعمال کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سیدہ جعفر رقم طراز ہیں:

''جب ہم اردو کی کلاسکی شاعری کے سرمائے پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ

چلتا ہے کہ اکثر وبیشتر شاعروں نے قصۂ یوسف زلیخا سے تلمیحات اخذ
کر کے ابلاغ وترسیل کو بامعنی وبلیغ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ماہِ کنعاں
، پیرِ کنعاں بوئے پیرہن، بازارِ مصر، چاہِ کنعاں، پیراہنِ یوسف
اوراسی قبیل کی دوسری تلمیحات سے اردو شاعری میں اظہار کے
پیکروں کوخیال آفرینی اوراثر انگیزی عطا کی گئی ہے۔'' ۶

اردو کے شعراء کے کلام سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

غیرتِ یوسف ہے یہ وقتِ عزیز
میر اس کو رائگاں کھوتا ہے کیا (میرؔ)

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہوگئیں (غالبؔ)

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کے بوئے پیرہن کی آزمائش ہے (غالبؔ)

قالبِ بے روح کی کیا خاک ہو عالم میں قدر
کوچ یوسف نے کیا خالی یہ زنداں ہوگیا (امیرؔ)

قید یوسف کو زلیخا نے کیا کچھ نہ کیا
دلِ یوسف کے لئے شرط تھا زنداں ہونا (حالؔی)

بوئے یوسف کے سوا مصر سے کیا لائی صبا
اور یعقوب کے قابل کوئی سوغات نہ تھی (رندؔ)

صنعتِ تضاد: کلام میں دو ایسے الفاظ کا استعمال جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ضد ہوں، صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں صبح وشام ایک دوسرے کی ضد ہے۔

یہاں رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام سے صنعتِ تضاد کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

؎

اول یہ کہ انسان کیا ہم کو حق
نہ حیوان وشیطان کیا ہم کو حق

(شاہ کمالؔ-ضیافت نامہ)

اس شعر میں انسان اور حیوان ایک دوسرے کی ضد ہے۔

؎

کمالؔ کمینہ ہے اوس شاہ کا
گدا بلکہ خاک اس کی درگاہ کا

(شاہ کمالؔ-ضیافت نامہ)

اس شعر میں شاہ اور گدا ایک دوسرے کی ضد ہے۔

؎

شب کرے ہمراہ ہمارے اور سحر
و ز محال و ممتنع دیوے خبر

(شاہ کمالؔ-معراج نامہ)

اس شعر میں شب اور سحر ایک دوسرے کی ضد ہے۔

؎

یہ تو ہوتے ہیں مہینے چار سب
آوتے اور جاوتے ناچار سب

(شاہ کمالؔ-معراج نامہ)

اس شعر میں آوتے اور جاوتے اتک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

مبارک ترے ہر قدم کے بدل
بلطفِ ابد اور بفضلِ ازل

(شاہ کمالؔ۔ضیافت نامہ)

اس شعر میں ابد اور ازل ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

خیر اور شر کے ہوئے ہم مختار
آپ تقدیر کئے ہو شاباش

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں خیر اور شر ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

ذکرِ خدا یہی ہے خودی کو بسر کمال
جینا یہی ہے اپنی ارادت سے مر کمال

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں جینا اور مرنا ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

ایمان سمجھ تو سانچ کو اور کفر جھوٹ کو
باطل میں حق میں فرق کا گر ہے ہنر کمال

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں سچ اور جھوٹ، حق اور باطل ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

ترے حسن کا مہر رخشان کہاں نئیں

ترے نور کا ماہِ تابان کہاں نئیں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں مہر اور ماہ ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

کہاں نئیں ترے ہجر سے کوئی غمگین
ترے وصل سے کوئی شادان کہاں نئیں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں وصل اور ہجر، شادان اور غمگین ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

جب لگ فنا نہ ہووے تو آپ سے کمالؔ
تب لک تجھے میسّر حق سے بقا نہیں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں جب لگ اور تب لک ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

تجھ وصل بن دنیا منے جینے سوں مجھ مرنا بھلا
ابلگ گگن پہ کاش کے مجھ سیس پر دہلنا پڑیا

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں جینا اور مرنا ایک دوسرے کی ضد ہے۔

ے

سب کو دوزخ سے تم چھڑاؤ گے
ساتھ جنت منے لجاؤ گے

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں جنت اور دوزخ ایک دوسرے کی ضد ہے۔

اس طرح کی کئی مثالیں ہمیں اردو کے دیگر صوفی شعراء کے کلام میں بھی نظر آتی ہیں۔خوب محمد چشتی کے کلام سے اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہو:

؎

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ مانہ
بھلا برا ہو ثمر یا دیکھو سبل نھیل اس ٹھانہ

؎

تین پائیں دی رج بسلائے بادھرا کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال

صنعتِ لف ونشر:

؎

تکلم ولب ودندان وخط دلکش یار
گہر ہے لعل ہے الماس ہے زمرّد ہے

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

؎

ترے زلف ورخ سے لیا صبح وشام
ظلم اور ضیا یا حیات النبیؐ

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

صنعتِ تجنیس: کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال جو املا میں تو یکساں ہوں مگر معنی میں الگ الگ ہوں، صنعتِ تجنیس کہلاتا ہے۔

ے

جس دم سے دم کو پھونکا آدم کے اس بدن میں
اس موں پو دم قدم ہے رخسار پر تصدق

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

مندرجہ بالا شعر میں 'دم' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پہلے 'دم' کے معنی لمحہ کے ہیں اور دوسرے 'دم' کے معنی روح کے ہیں۔

ے

کیا کام عقل و ہوش سے اس مست دنگ کو
جس نے پیا پیا کے محبت کے بنگ کو

مندرجہ بالا شعر میں 'پیا' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پہلے 'پیا' کے معنی پینے کے ہیں اور دوسرے 'پیا' کے معنی پیر یا محبوب کے ہیں۔

تجسیم:

ے

پردہ آنکھوں سے کرو دور ذرا تم یارو
لئے خنجر ہے کھڑی سر پہ قضا کو دیکھو

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

ے

شرمندگی ہے ماہ کو روئے حضورؐ سے
رخسار کی چمک سے حیا آفتاب کو

(شاہ میرؔ۔ دیوانِ شاہ میر)

کنایہ: کلام میں حقیقی معنی چھوڑ کر مرادی معنی لینا کنایہ کہلاتا ہے اور حقیقی معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

ے

رہ دو قدم ہے نفس عدو پر رکھ یک قدم
دوجے قدم کو دوست کے کوچے میں دھر کمال
(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں 'کوچہ' کنایہ ہے۔کوچہ سے مراد جنت ہے۔

قدیم اردو میں تشبیہ اور مثال کے لیے ناد، نمن، نمط، سار، مانند، جانو اور جوں استعمال کئے گئے ہیں۔انھیں اداتِ تشبیہ بھی کہا جاتا ہے۔اس کی مثالیں رائل سیما کے صوفیانہ کلام میں بھی نظر آتی ہیں۔

ے موسیٰ کے نمط نفس کے فرعون کو زبوں کر
دے مجھے ید بیضائے قدم بوس محمد ﷺ

ے قمری نمن لگا کر سب تن کو راکھ اپنے
تجھ سرو قد کارن بن گئی ہوں جوگنی میں

ے چلیں بعضے بجلی نمن تیز تر
بہی بعضی پرندیاں نمن مار پر

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں اصنافِ سخن کا تنوع

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کے بارے میں یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس میں مختلف ومتنوع اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔بعض اصناف جو اُس دور میں مقبول ومتداول تھیں' آج متروک ہیں۔

شعری اصناف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف کے اپنے لوازم اور فنی تقاضے ہوتے ہیں، جن کا اہتمام و التزام لازمی سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، سلام وغیرہ جیسی مذہبی اصناف بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح مراثی اور قصائد پر بھی طبع آزمائی کی گئی ہے۔ خاص طور پر غزل میں عارفانہ و صوفیانہ موضوعات اور عشقِ حقیقی کے مضامین باندھے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں صوفیائے کرام نے بہت سے مضامینِ تصوف کو جزوِ مزاج بنا دیا' جو آج بھی غزل کے جزوِ

لاینفک ہیں۔ رائل سیما کے صوفی شعراء نے ریختیوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ریختی میں عورت کی طرف سے جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی اختیار کی جاتی ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء میں شاہ کمالؔ نے اپنے دیوان میں دو مقامات پر ریختی میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان دونوں ریختیوں کی بحر بڑی اور الفاظ زیادہ تر ہندی ہیں۔ نسوانی لب ولہجہ سے زیادہ شیرینی' گھلاوٹ اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ عاشقانہ جذبات ایک طرف ہوس پرستی سے جا ملتے ہیں تو دوسری طرف پاکیز گی طہارتِ عشق اور عرفان تک جا پہنچتی ہیں۔ شاہ کمالؔ کی یہ دونوں ریختیاں انھیں پاکیزہ جذباتِ عشق کی زندہ مثال ہیں اور فن کے لحاظ سے بھی ایک بلند معیار پیش کرتی ہیں۔

اسی طرح دکن میں چند شعری اصناف مروج تھیں، جن کا چلن اُس دور میں عام تھا اور مختلف مواقع کے لیے بعض 'نامے' مخصوص تھے۔ جیسے: 'چکی نامہ'، 'معراج نامہ'، 'پند نامہ'، 'بود نامہ'، 'صندل نامہ'، 'شادی نامہ'، 'پنچھی نامہ'، 'پیت نامہ' اور 'ہدایت نامہ' 'ارشاد نامہ' وغیرہ۔

اسی طرح مختلف کھیل کے مواقع کے لیے بھی مخصوص کلام ہوا کرتے تھے اور حضراتِ صوفیائے کرام نے انہیں مواقع کے لیے صوفیانہ و عارفانہ اور سماجی و اصلاحی کلام بطورِ خاص لکھا تھا، جس کی ایک مثال... ''پھگڑی پھوں'' ہے۔ یہ ایک گیت یا نظم کی ہیئت سے ملتی جلتی شکل میں ہوتی ہے۔ اس میں پہلی پھگڑی، دوسری پھگڑی... اور اسی طرح سلسلہ وار پھگڑیاں کہی جاتی ہیں۔

دکنی شاعری میں متداول ''نامے'' بھی مختلف مواقع اور مختلف مقامات کے لیے کہے گئے ہیں، ہر نامے کا ایک مخصوص موقع و محل ہوا کرتا تھا، جس میں انہیں پڑھا جاتا تھا۔ بعض نامے محفل میں کوئی ایک

شخص پڑھتا اور سب سنتے، جیسے 'معراج نامہ' اور 'ہدایت نامہ وارشاد نامہ' وغیرہ۔

چند نامے اجتماعی طور پر پڑھے جاتے۔ جن کے لیے مواقع اور اصول مقرر ہوا کرتے تھے۔ جیسے چکّی نامے، صندل نامے، شادی کے مواقع پر پڑھے جانے والے نامے، وغیرہ۔

'چکی نامہ'، 'معراج نامہ'، 'پند نامہ'، 'بود نامہ'، 'صندل نامہ'، 'آثار نامہ'، 'شادی نامہ'، 'پنچھی نامہ'، 'پیت نامہ' اور 'ہدایت نامہ' 'ارشاد نامہ' وغیرہ۔

اس کے علاوہ مختلف مواقع پر سلام بھی پڑھے جاتے تھے۔ سلام' اس دور کی شاعری میں ایک مقبول اور محبوب صنف کی حیثیت رکھتی تھی۔ محافلِ مسالمہ (سلام کی محفلیں) بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ صوفیائے رائل سیما میں سلاموں کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے۔ خود حضرت شاہ کمال کے دیوان 'مخزن العرفان' میں چھ مقامات پر سلام موجود ہیں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہاں کلامِ صوفیائے رائل سیما سے چند ایک سلام' صندل نامے' آثار نامے' ریختیاں اور شادی نامے نمونے کے طور پر پیش کئے جائیں تا کہ اس سے اس بات کا پتہ چل سکے کہ صوفیائے رائل سیما فن کے لحاظ سے بھی ایک بلند معیار رکھتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں۔

سلام بحضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم از دیوانِ شاہ کمالؔ

السلام اے صدرِ عالم السلام ۔۔۔ السلام اے فخرِ آدم السلام
السلام اے روح تیرا جسم ذات ۔۔۔ تن تیرا روحِ مجسّم السلام
السلام اے ہر مقدم کے اخیر ۔۔۔ ہر موخرّ کے مقدم السلام
السلام اے غیریت کے رمز داں ۔۔۔ راز عینیت کے محرم السلام
السلام اے وحدت و کثرت کے اصل ۔۔۔ جامع ضدّین باہم السلام
السلام اے صدر تیرا لامکاں ۔۔۔ فرش تیرا عرشِ اعظم السلام
السلام اے تجھ کو حق کی عاشقی ۔۔۔ اور معشوقی مسلم السلام
السلام اے وصل سے تیرے سُرور ۔۔۔ متصل ہجرت سے ماتم السلام
السلام اے تجھ پہ نازل ہے صلوٰۃ ۔۔۔ حق سے نت نت جگ سے جم جم السلام

السلام اے شرع تیرا بس قوی دین ترا اسلم و احکم السلام
السلام اے مبیّن امر و نہی قاسم خلد و جہنم السلام
السلام اے سیل بذل ورودِ وجود موجِ لُطف و فیض کے یم السلام
السلام اے ناقہ تیرا برق سیر باد پا تیرا ہے ادہم السلام
السلام اے تاجدارِ اولیاء انبیاء کا تو ہے خاتم السلام
السلام اے تجھ ثنامیں ہے کمالؔ
ہر نفس ہر لحظہ ہر دم السلام

سلام بحضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم، دیوانِ شاہ میرؔ ؂

یا رسولِ خداسلام علیک یا شہِ انبیاؑ سلام علیک
یا شفیع الوریٰ سلام علیک یا نبی مصطفیٰ سلام علیک
آپ کی نعت کاکسے امکاں عرش سے بڑھ کے آپکی ہے شاں
شان میں آیاآپ کی قرآں احمدِ مجتبیٰ سلام علیک
تم نہ ہوتے تو کچھ نہیں ہوتا نہ مکاں نہ کوئی مکیں ہوتا
حق کا ہرگز نہیں یقیں ہوتا باعثِ دوسرا سلام علیک
سب تمہارے ہیں تابع فرماں انس و جن وملک زمیں وزماں
دین ودنیاکے ہوتم ہی سلطاں تاجِ شاہ وگداسلام علیک
رحمتِ خاصِ خالقِ اکبر تم پہ نازل نہ کیوں ہوشام وسحر
نہیں سایہ ہے اس لئے یکسر آپ کے جسم کاسلام علیک
تری الفت ہی کی فراوانی دلِ مومن میں شانِ ایمانی
اس پر آئی دلیلِ قرآنی یا حبیبِ خداسلام علیک
جب فلک پر تراقدم پہنچا قدسیوں کاعجب ہجوم ہوا
باادب ہوکیہر ملک نے کہا خواجۂ دوسراسلام علیک

تم ہو بیشک شفیع امّت کے بانٹنے والے سب کو جنت کے
رہبرورہنماہو خلقت کے ہادی وپیشواسلام علیک

حق سے ہے عرض اے مرے داور مجھکو پہنچاتو پھر درِ شہ پر
تحفہ سر درودکالے کر کہوں یا مصطفیؐ سلام علیک

کاش قسمت مری جوہویاور جلد طیبہ میں پہنچوں جاکر
شوق سے روضۂ محمد پر کہوں میں سیّداسلام علیک

ہم پڑے ہیں یہاں ضلالت میں نخوت وفطنت وشقاوت میں
بخشوانا ہمیں قیامت میں یہ ہے کام آپ کاسلام علیک

مری ہر آرزو دلادینا آبِ کوثر مجھے پلادینا
حشر میں حق سے بھی ملادینا یہ ہے میری دعاسلام علیک

دور دنیاسے مجھکو کر دینا میری آہوں میں کچھ اثر دینا
نورسے جان ودل کو بھر دینا یا امام الہدیٰ سلام علیک

میرے دل پر لگے ہیں خنجر دو رکھتے ہیں زخم دیدۂ تر دو
اب عوض اس کامجھکوبہتر دو میرے حاجت رواسلام علیک

ہے گنہگار شاہ میؔر حزیں عاجزوناتواں بہت غمگیں
آپ شافع ہیں اسکوہے یہ یقیں یاشفیع الوریٰ سلام علیک

سلام بحضور حضرت سیدناغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ از دیوانِ شاہ میؔر ؎

السّلام اے شاہِ جیلاں السّلام السّلام اے قطبِ دوراں السّلام
السّلام اے شاہِ عالم قطبِ حق ہے تو بیشک ظِلّ سبحاں السّلام
السّلام اے سب سلاطیں کے لئے ہے تو ہی سرداروسلطاں السّلام

السّلام اے جاہ اورجلال کو تیری کب پہنچےگا کیواں السّلام
السّلام اے احمد وحیدر کے نور فاطمہ کی راحتِ جاں السّلام
السّلام اے پارۂ قلب ِ حسین اے حسن کے جانِ جاناں السّلام
السّلام اے تیرے رخ سے ہیں خجل ماہ وخورشیدِ درخشاں السّلام
السّلام اے رتبۂ محبوبیت تھا فقط تیرے ہی شایاں السّلام
السّلام اے تیرے عاشق انس وجن اورتو معشوقِ یزداں السّلام
السّلام اے تیری بحرِ جود سے غرقِ خجلت ابرِ باراں السّلام
السّلام اے ابرِ بخشش کا ترے ایک قطرہ ابرِ نیساں السّلام
السّلام اے کرعطاعلم وعمل اورامن ِ دین وایماں السّلام
السّلام اے مجھ علیل وزارکا کرمسیحابن کے درماں السّلام
السّلام اے خوانِ نعمت سے مجھے کے عطااک ریزۂ ناں السّلام
السّلام اے جمع خاطر کرمری ہوں میں حیراں اور پریشاں السّلام
السّلام اے اپنے روضہ پربلا ہے زیادہ دل میں ارماں السّلام
السّلام اے جاں ودل شہ میؔر کے آپ پر ہر لحظہ قرباں السّلام

امّتِ محمدیہ کا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کا تعظیماً وتکریماً درودوسلام بذریعہ اشعار پیش کرنا ہی سلام ہے۔'سلام' ہر دور کی شاعری میں ایک مقبول اورمحبوب صنف ہے۔آج بھی محافلِ مسالمہ (سلام کی محفلیں) شمالی ہندوجنوبی ہند کےمختلف علاقوں میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔مختلف شعراء نےمختلف انداز میں سلام لکھے ہیں۔یہاں اس کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یا را رم تا جدا رحرم

نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسراء کے دولہا پہ دائم درود
نوشہِ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سلامِ دیگر

یا نبیؐ سلام علیک ، یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک
غلام حاضر ہے آستاں پر سلام خیر الانام لیجیے
رسول اکرم سلام لیجیے شفیع عالم سلام لیجیے
جو ہٹ گئی آپ کی عنایت تو ہم پہ نازل ہوئی قیامت
نظر سے دنیا کے گر گئے ہیں اب اپنے گرتوں کو تھام لیجیے

برصغیر ہندوپاک کے مختلف علاقوں میں ماہِ ربیع الاوّل میں عید میلاد النبی ﷺ اور ماہِ ربیع الثانی میں پیر روشن ضمیر حضرت محبوبِ سبحانی ومعشوقِ ربّانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم دستگیرؒ کی یاد میں گیارہویں شریف کے نام سے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان محفلوں میں آپ ﷺ اور غوث الاعظم دستگیرؒ کے مختلف آثار کی زیارت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ جس میں خاص کر آپ ﷺ اور غوث الاعظم دستگیرؒ کے موئے مبارک قابلِ ذکر ہیں۔ اس موقع پر علاقۂ رائل سیما میں کچھ گیت پڑھے جاتے ہیں۔ یہی گیت ''آثار نامہ'' کہلاتا ہے۔ آثار نامہ بھی رائل سیما کی دکنی شاعری کی ایک خاص صنف ہے۔ یہ صنف متبرک اور صوفیانہ کلام ہونے کی وجہ سے اکثر عید میلاد النبی ﷺ اور گیارھویں شریف کے مواقع پر پڑھا جاتا ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ صنف خالص رائل سیما کے دکنی صوفی شعراء کے یہاں

نظر آتی ہے۔ ذیل میں رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام سے چند آثار نامے نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

آثار نامہ بحضور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم، از دیوانِ مخزن العرفان ؎

محبوبِ خدا کا ہے یہ آثارِ مبارک | برہانِ ہدا کا ہے یہ آثارِ مبارک
جس ذاتِ مقدس کو کہیں اہلِ یقیں ہُو | اوس ہُو کے انا کا ہے یہ آثارِ مبارک
جس شمس کے اشراق سے دن دین کا قائم | وہ شمسِ ضحیٰ کا ہے یہ آثارِ مبارک
جس بدر سے پائی ہے شب داجِ عدم نور | اس بدرِ دجےٰ کا ہے یہ آثارِ مبارک
جو نیست کے درپن میں دکھایا رخِ ہستی | اس ہست نما کا ہے یہ آثارِ مبارک
جو حق سے یگانہ ہو سدا حق سے جدا ہے | اس حق سے جدا کا ہے یہ آثارِ مبارک
نئین ذات صفت فعل جسے باج اضافت | اوس بے من وما کا ہے یہ آثارِ مبارک
وحدت بمثل اوج ہُما منشاء کثرت | اس ظلّ ہُما کا ہے یہ آثارِ مبارک
اسرار خدائی کے عطا بخش وخودی کے | کشاف غطا کا ہے یہ آثارِ مبارک
زِت فقر جسے نفی اور اثبات غنا ہے | اس اہلِ غنا کا ہے یہ آثارِ مبارک
خوش جس کا لقا ہو بہو اللہ کا لقا ہے | اس طرفہ لقا کا ہے یہ آثارِ مبارک
جو موتِ حقیقی سے ہوا زندۂ جاوید | اس شاہ بقا کا ہے یہ آثارِ مبارک
کہتے ہیں جسے من ھو فی الارض محمد | محمودِ سما کا ہے یہ آثارِ مبارک
شایستہ صلوٰت وسزاوارِ تحیّت | درخورِ وثنا کا ہے یہ آثارِ مبارک
القصہ جو ہے افضل ما کان سوی اللہ | اس خیرورا کا ہے یہ آثارِ مبارک
پیرہ حق شاہِ رسل میراولولعزم | صدرِ دوسرا کا ہے یہ آثارِ مبارک
جس ذات سے محتاج شفاعت ہے کمال اس | ذوفضل وعطا کا ہے یہ آثارِ مبارک

آثار نامۂ حضور پیرانِ پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ از دیوانِ شاہ میرؔ

آثارِ پاک آج ہے پیرانِ پیر کا ۔۔۔ پیرانِ پیر شاہِ امیر و فقیر کا
آؤ ادب سے اور کمر بستہ ہو کھڑے ۔۔۔ یاں رتبہ اک ہے طفل و جواں اور پیر کا
سر کو جھکا کے شوق و محبت سے مومنو! ۔۔۔ آثارِ پاک دیکھو شہِ بے نظیر کا
انس و ملک و جن ہوں متفق بہم ۔۔۔ کیا حوصلہ جو وصف لکھیں دستگیر کا
سردارِ انبیا اگر احمد کا ہے خطاب ۔۔۔ سردارِ اولیاء ہے لقب دستگیر کا
ہر اک ولی نے دوش پر اپنے قدم لیا ۔۔۔ الفت سے شوق سے شہِ روشن ضمیر کا
مردہ کو قُم کہا تو اٹھا زندہ ہو کے وہ ۔۔۔ جب روبرو ہوا تو کھلا بند اسیر کا
آیا مکانِ شہ میں جو چوری کے واسطے ۔۔۔ دم بھر میں رتبہ بڑھ گیا دُزدِ حقیر کا
چرچا فقط نہیں ہے زمیں پر ہی چارسو ۔۔۔ شہرہ سرِ فلک بھی ہے پیرانِ پیر کا
آتا ہے نامِ غوث جو میری زبان پر ۔۔۔ جھکتا ہے سر ہر ایک صغیر و کبیر کا
آثارِ پاک و نامِ شہِ دستگیر پر ۔۔۔ قربان جان و مال ہے سب شاہ میرؔ کا

راقم الحروف نے ''صندل نامہ'' کی تفصیل پہلے بھی بیان کی ہے کہ ''صندل نامہ'' بھی رائل سیما کی دکنی شاعری کی ایک خاص صنف ہے۔ اس صنف کے معرضِ وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تصوف کے رسمیات میں صوفیائے کرام کے اعراس کے مواقع پر صندل کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور اُس دن کا نام ہی صندل رکھا جاتا ہے۔ صوفیائے کرام کے مزارات پر صندل لے جانے اور چڑھانے کی ایک مخصوص روایت چلی آرہی ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے صندل نامے کی صنف کا دکنی صوفی شاعری میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ کئی لوگ مل کر ایک ساتھ صندل نامہ پڑھتے ہیں، جس سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام سے یہ صندل نامے ملاحظہ فرمائیں:

صندل نامۂ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از دیوانِ شاہ میرؔ ۔

شاہِ دنیاودین کا صندل رحمت العالمین کا صندل
سب سے افضل ہے سب سے بہتر ہے خاتم المرسلین کا صندل
سب رسولوں کے دل کو ہے پیارا سرورِ مرسلین کا صندل
شاہِ شمس الضحیٰ وبدردجیٰ نورِ نورآفرین کا صندل
آیا لولاک شان میں جس کی سید الاوّلین کا صندل
حق کے محبوب خلق کے مطلوب نازنین وحسین کا صندل
یک ہے کاشانہ لامکاں جس کا اس مبارک مکین کا صندل
بعد حق کے تمام عالم کے افضل و بہترین کا صندل
حق نما عبدِ حق جوواصل ہیں اکملِ کاملین کا صندل
چاندوسورج رخِ جبین سے بنے مہ رُخ ومہ جبین کا صندل
لودرودوسلام پڑھتے ہوئے اپنے سردارِ دین کا صندل
ہے ممدّ ومعاون وغمخوار شافع المذنبین کا صندل
لو اٹھو شاہ میؔر آتا ہے شاہِ دنیاودین کا صندل

صندل نامہ حضرت سید محمد حسینی عرف شاہ میراول المتخلص بہ میؔر ؎

آج ہے شہ میر پیر کا صندل ہے مرے دستگیر کا صندل
لے کے آتے ہیں انس وجن وملک سر پہ روشن ضمیر کا صندل
صف بہ صف باادب قدم بہ قدم لئے چلتے ہیں میر کا صندل
چوبدار ونقیب کہتے ہیں لیجئے چل کے پیر کا صندل
عارفوں میں یہ شور ہے لے لو صوفیوں کے امیر کا صندل
آسمانوں پہ کیوں نہ ہوشہرت خواجۂ بے نظیر کا صندل

سر جھکاؤ رہو کمر بستہ — اٹھو آتا ہے پیر کا صندل
اٹھو تعظیم کو مسلمانو — آیا شہ میر کا صندل
آیا کس شان و شوکت و فر سے — پیر شہ میر پیر کا صندل
مشک و عنبر گلاب میں حل ہے — ماہ و مہرِ منیر کا صندل
زعفراں کی نہ کچھ ضرورت ہے — بس ہے ہم کو عبیر کا صندل
سب امیر و فقیر لیتے ہیں — حضرتِ شاہ میر کا صندل
جھک کے ادب سے سبھی لینا — مرشد و شیخ و پیر کا صندل
لے کے آنکھوں پہ ہے لگا لینا — اولیا کے امیر کا صندل
لو درود و سلام پڑھتے ہوئے — مرشدِ بے نظیر کا صندل
لاکھوں مقصد دلائے سب کے — اس ولیٔ کبیر کا صندل
کر کے تقسیم کہتے ہیں قاسم — لو خدا کے فقیر کا صندل
نکلا کس منہ سے مصرعِ موزوں — خلق کے دستگیر کا صندل
کردو تشہیر خلق میں شہ میرؔ — آج ہے شاہ میر کا صندل

رائل سیما کے صوفی شعراء نے ریختیوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ریختی میں عورت کی طرف سے جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی اختیار کی جاتی ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء میں شاہ کمالؔ نے اپنے دیوان میں دو مقامات پر ریختی میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان دونوں ریختیوں کی بحر بڑی اور الفاظ زیادہ تر ہندی ہیں۔ نسوانی لب و لہجہ سے زیادہ شیرینیٔ گھلاوٹ اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ عاشقانہ جذبات ایک طرف ہوس پرستی سے جا ملتے ہیں تو دوسری طرف پاکیزگی طہارتِ عشق اور عرفان تک جا پہنچتی ہیں۔ شاہ کمالؔ کی یہ دونوں ریختیاں انھیں پاکیزہ جذباتِ عشق کی زندہ مثال ہیں اور فن کے لحاظ سے بھی ایک بلند معیار پیش کرتی ہیں۔ ذیل میں حضرت شاہ کمالؔ کی صوفیانہ ریختیاں ملاحظہ ہو:

تجھ حب کا جب سے لذت پائی ہوں اے دھنی میں
تب سے بندھی ہوں اپنی راحت سے دشمنی میں
قمری نمن لگا کر سب تن کو راکھ اپنے
تجھ سروقد کے کارن بن گئی ہوں جوگنی میں
چولے پہ تجھ برہ کے سینہ کے رکھ توے کو
دل اور جگر اپس کا دھنیان نمن بھنی میں
کیوں میرے من کو بھاوے خوش باس اور زرینہ
تجھ واسطے سجی ہوں پشواز دامنی میں
تجھ ناز کا جو نیزہ لاگا ہے دل میں تب سون
کم سوئی سے جانتی ہوں تلوار کی انی میں
مال اور متاع ملنا مجھ حق میں مفلسی ہے
تجھ وصل کا خزینہ پاؤں تو ہون غنی میں
سر تا قدم ہوئی ہوں ہستی میں نیست تیری
تجھ روبرو کروں اب کس رو سے دم زنی میں
معبود تو دِ سے مجھ موجود ہو کے ہر جا
کیا دیر کیا حرم میں تیری ہوں درشنی میں
جانی تھی خاک اپس کو پن خوب گیان کر کر
دیکھی تو نورتن کی انمول ہوں کنی میں
کسوت حواس خمسہ زیور صفات سبعہ
بر تخت چار عنصر بیٹھی ہوں ہو بنی میں
شکرِ خدا کمالا شھیر کی زبانی
آتے ہیں پئیو مرے گھر یہ خوش خبرسنی میں

حضرت شاہ کمالؔ کے دیوان مخزن العرفان سے ایک اور ریختی ملاحظہ ہو:

دریغا کر کے لے قولان پیا سوں جگ میں آئی میں
ولے یک قول جو لازم تھا تیوں نئیں نبھائی میں
ہزاران بار ہوئی مجھ سے پیا کے ساتھ بدقولی
ولے ہرگز انھوں سے کب نہ دیکھی بے وفائی میں
پیا صرّاف ہے کامل پرکھنے میں نہیں نقصان
مرا ہے دام کھوٹا سو طرح سے آزمائی میں
پیا نے نعمتاں بے حد کئے مجھ کو عنایت پن
ہزار افسوس شکران کا بجا یک تِل نہ لائی میں
پیا کے نفس اور شیطان ترے دشمن ہیں دوران سے
بندھی ہیہات اپنے دشمنوں سے آشنائی میں
پیا کو اپنے آرزدہ کی دشمن کو ان کے خوش
کری لاحول کیا نادانگی اور جگ ہنسائی میں
پیا جس دن مرے عیبان نظر سوں خلق کے ڈھانپے
انھوں کے روبرو ہے ہے کئی کیا بے حیائی میں
پیا مجھ کو بلاویں گے تو کیا منہ لے کے تب جاؤں
کہ دنیا بیچ آ کر دین کے تئیں نئین کمائی میں
پیا کہے جان و دل ترے محل او خاص ہیں میرے
اسے دیول بنا ہے ہے ہوا کا بت بٹھائی میں
پیا کہے آپ کو مجھ میں چھپا اوران کو ظاہر کر

نگوڑی آشکارا آپ ہو پئیو کو چھپائی میں
پیا کہے یاد میں ہر دم مرے مشغول رہ رات دن
دریغا کھیل اور غفلت میں وقت اپنا گنوائی میں
پیا فرمائے میرے شغل میں تیری بھلائی ہے
سدا اغیار کے دھندے میں دل اپنا بہلائی میں
پیا ہر کام میں والی مرے ہونا نپٹ مشکل
نہ کر راضی پیا کو چپ پیا والی کہلائی میں
پیا جوں آئینہ ہو کر دکھائے اس میں مکھ میرا
اپنے درپن ہو اس میں پئیو کا مکھ نئیں دکھائی میں
سنواریان اور بنایان سو سہیلیاں ہو گیان پیاریان
زری کو پہن کر ٹک بھی پیا کو نئیں رچائی میں
سب کساران پیا کے رہ میں پہونچے جلد منزل کو
چلوں کیوں یہ گنہ کا سر اُپر پربت اٹھائی میں
دو سو سال آدم و حوا منائے پئیو کو رو رو کر
مرا انجام کیا ہوگا کہ اک دن نئیں منائی میں
اپس کے کام کو ڈالی پیا سے خود پسندی سوں
پیا کے کام کو اپنے طرف ناحق لگائی میں
بھرا بازار ہے آوے بھی جاویں لوگ پن میرا
عبث آنا ہے اور جانا کہ نئیں کچھ نقد لائی میں
حقیقت حال میرا کاش کے اُس میں نظر آتا
پن اپنے مکھ کو ان کے آئینہ میں نئیں نجھائی میں
کہے خانم کے بیٹے جون عجب نئیں کر کے میں خاتون

گنہ بخش ان کی اُمت کا کہ ہون خانم کی جائی میں
پیا میرے گنہ بخشیں گے البتہ طفیل ان کے
محمد سے ولے شہیر ویسے پیر پائی میں
سنی جب رحم ہے پیُو کا زیادہ قہر سے ان کے
خوشی سوں اے کمال اپنے نہ جامہ میں سمائی میں

دکن کے صوفی شعراء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تصوف اور معرفت کے رموز واسرار کو سمجھانے کے لئے کبھی کبھی نسوانی لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں یا عورت سے خطاب کر کے یا پھر عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ شاہ میراں جی شمس العشاق نے بھی ایک منظوم رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''خوش نامہ'' ہے۔اس رسالہ میں انھوں نے تصوف اور معرفت کی باتوں کو عورتوں سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اپنی تصنیف ''اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام'' میں یوں رقم طراز فرمایا ہے:

> ''ہندی شعراء بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالمِ آخرت اس کا میکا ہے۔اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔'' ۷

مولوی عبدالحق شاہ میراں جی شمس العشاق کے رسالہ ''خوش نامہ'' کے سلسلے میں آگے لکھتے ہیں:

> ''اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لئے یہ نظم لکھی ہے۔اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے۔دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔'' ۸

شاہ میراں جی شمس العشاق کے رسالہ ''خوش نامہ'' سے چند ابیات ملاحظہ ہوں:

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ہلدوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہاوا
اب کیوں سر سہاوے دو جانم کو ناہیں ٹھاوا
اس کے رنگوں رنگی ساڑی دو جا رنگ نہ بانی
اس کی باسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ کی آنی
ایسی باتیں کرے گنونتی مورکھ بوجھیں سدھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوہی سکھاویں بودہ

ہم جب اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ دکنی کے بہت سے شعراء نے ریختی کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا ہے اور انھوں نے عشق کے جذبات کا اظہار عورت کی زبان میں کیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کو پہلا شاعر کہا جاسکتا ہے جس نے داستانِ عشق کو عورت کی زبان میں سنوائی ہے۔ ڈاکٹر سیّدہ جعفر نے اپنی تصنیف ''دکنی رباعیاں'' میں یوں رقم طراز فرمایا ہے:

> ''ہندی شاعری میں عورت جذباتِ عشق کا اظہار کرتی ہے اور اس کا مخاطب مرد ہوتا ہے۔ دکنی شعراء نے غزل اور اس سے بڑھ کر رباعیوں میں ہندی شاعری کی طرح جذباتِ عشق کا اظہار عورت کی زبان میں کیا ہے اور صیغۂ تانیث استعمال کیا ہے۔ رباعیوں میں اس انداز کی مثالیں دکنی شعراء کے سوا کہیں اور نہیں ملتیں۔ ہر زبان کی شاعری میں عشق و محبت کے اظہار کے لئے نرم، کومل، لطیف اور دلکش پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے اور جب یہ جذبات عورت کے نرم، شیریں اور پر اثر لب و لہجے میں ڈھلتے ہیں تو شعر اپنے حسن اور بانکپن کے اعتبار سے ایک سلک گہر بن جاتا ہے۔ دکنی رباعیوں میں جو رنگینی، نکھار، رس اور البیلا پن ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے رباعیوں میں عورت

کی زبان سے داستانِ عشق سنوائی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد وجہیؔ
،غواصیؔ اور بعض دوسرے شاعروں نے اس کا تتبع کیا ہے۔"۹

ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

محمد قلی قطب شاہ

کہی کہ یکٹ ہو جو اچھے گا گھر میں
اف نہ کہن آوں گی تب تج بر میں
گھر خلوت ہوا ہور نئیں کوی گھر میں
او بات توں بسرے اہے یا ہے سر میں

وجہیؔ

تج یاد بنا ہور منجے کام نئیں
نس جاگتے جاتی دن آرام نئیں
میں تو تجے منگتی او کہ جیو لے
تو کیوں منجے منگتا ہے سو کچ نام نئیں

غواصیؔ

کہتی ہون تسوں راست میں اے سرو رواں
سچ مان کہ تج سا نہ سرو بان ہے نہ وان
آتش ہے ترا عشق اسی آتش کا
یو سور سو شعلہ ہے اگن کا یو دھنواں

رائل سیما کے صوفی شعراء نے ہر صنف پر نہ صرف طبع آزمائی کی بلکہ اردو شعر و ادب کے فنی لوازمات کو برقرار بھی رکھا اور اردو شعر و ادب کو پروان چڑھنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ رائل سیما کے ایک صوفی شاعر حضرت شاہ کمالؔ نے مرثئے بھی لکھے آپ کا لکھا ہوا ایک مرثیہ جس کے تمام قوافی آٹھ آٹھ حروف پر مشتمل ہیں۔ اس سے صاف اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رائل سیما کے صوفی شعراء کو فن پر

کتنا عبور تھا۔۔ ذیل کے مرثیہ سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے۔مرثیہ ملاحظہ ہو:

اے صفات ذاتِ حق کے مستبینین السّلام اوجِ وحدت کے ہمائے مستطیریں السّلام
شمع بزمِ نہ بطوں مفتاح بابِ پنج گنج رہنمائے چارراہ مستقیمیں السّلام
مستفیض فیضِ احمد خاص تم اور ممکنات عام فیضوں سے تمہارے مستفیضیں السّلام
بالیقین تم شاہدِ خلوت سرائے غیب ہیں جلوۂ طلعت میں دائم مستدیمیں السّلام
مشتری عالم نہووے کیوں کہ قیمت باج تم ہومتاعِ معرفت کے مستّبعیں السّلام
ایہاالمستغرقون فے قلزم عین الیقیں غیرِ حق کے تم ہو برحق مستقیلیں السّلام
دیں کے اقلیم کی تم سلطنت کیتے قبول مالِ دنیاپرنہوکر مستمیلیں السّلام
وحش وطیر وجن وانس وحور ورضوان وملک ہیں تمہارے حکم کے سب مستطیعیں السّلام
مسلمیں کے حامی ودینِ پیمبر کے معیں مشرکیں کے قاتلیں و مستبیدیں السّلام
ہے تمہارے ذکر سے دفع ضرر نفع وثواب مومنوں کو یامفیدالمستفیدیں السّلام
حرمت والفت تمہاری خلق پر ہے فرض عین دشمنِ حق ہیں تمہارے مستہینیں السّلام
نائب بوجہل ہیں جو منکراں بے اختلاف ہیں کرامت میں تمہارے مستریبیں السّلام
ہے کمال الدین زِ جورِ نفس بد فریادخواہ دفع کرتس یا غیاث المستغیثیں السّلام

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ہجر وفراق کی کیفیات کو جا بجا پیش کیا گیا ہے۔اور جہاں کہیں بھی رنج وغم، جدائی وبے کسی کا بیان ہے ایک ایک لفظ سوز وگداز، آہ وفغاں میں ڈوبا ہوا ہے۔رنج وملال کی یہ تصویریں اتنی مکمل اور پراثر ہیں کہ قاری خود اپنے اطراف مایوسی وافسردگی کی فضا محسوس کرنے لگتا ہے۔یہی کیفیت رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں ہم کو نظر آتی ہے۔رائل سیما کے صوفی شعراء نے رسولِ پاک کی محبت یا آپ ﷺ کی جدائی میں، یا پھر اپنے پیرومرشد سے دوری کے سبب اپنے اندر جو درد محسوس کیا ہے اس کی سچی تصویر کشی اپنے کلام میں پیش کی ہے۔رسولِ پاک کی محبت میں، آپ کی جدائی میں جس بیتابی کا اظہار حضرت شاہ میرؔ نے کیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔آپ کے کلام کے یہ

اشعار ملاحظہ فرمائیں: ؎

آتشِ ہجر پیمبر میں ہوں جلتا جاتا ہے دھواں آہ کا سینے سے نکلتا جاتا
دن قریب آئے ہیں طیبہ سے جدا ہونے کے چشمۂ غم مرے دل سے ہے ابلتا جاتا
ذکرِ رخصت جو کیا کرتے ہیں زائر باہم غمِ فرقت سے مرا دم ہے نکلتا جاتا
مجھ سے کیوں کہتا ہے زائر کہ چلو طیبہ سے دل مرا ایسی ہی باتوں سے ہے جلتا جاتا
ہند کے رہنے سے حیران وپریشاں تھا میں اب مدینہ میں جو ہوں دل ہے بہلتا جاتا
دل کو دیتی جو کبھی طاقتِ رفتار جواب سر کے بل راہِ مدینے میں میں چلتا جاتا
دستگیری جو نہ ہوتی تری وقتِ افتاد میں سنبھلتا نہیں ہر چند سنبھلتا جاتا
دشتِ طیبہ کو جو جاتا ہوں تو ہر پتھر سے مثلِ فرہاد سر اپنا ہوں کچلتا جاتا
خوابِ غفلت میں عبث عمر کی شب کٹتی ہے شمع کی طرح ہوں اس غم میں پگھلتا جاتا
شوقِ دیدارِ محمد کی عجب ہے شوخی چٹکیوں سے مرے دل کو ہوں مسلتا جاتا
آرہا ہے مرے لب پر جو محمد کا نام دل بیتاب ہے سینے میں اچھلتا جاتا
غیرتِ گوہرِ نایاب ہے وہ اے شہ میرؔ سخنِ نعت جو منھ سے ہے نکلتا جاتا

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کے ادبی مطالعہ سے اس بات کا انکشاف ہوجاتا ہے کہ رائل سیما کے صوفی شعراء نے نہ صرف اردو شاعری کے لوازمات کو ملحوظ رکھا بلکہ اسے نئے نئے اصناف سے متعارف بھی کرایا اور ان اصناف پر طبع آزمائی بھی کی۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا لسانی مطالعہ

جس موضوع پر میرا تحقیقی کام ہو رہا ہے وہ تمام کا تمام مواد دکنی زبان پر مشتمل ہے۔ دکنی قدیم اردو ہی کا ایک روپ ہے۔ اس زبان کی ادبی نشو و نما ابتدائی زمانے میں دکن اور گجرات میں چودھویں صدی عیسوی کے آخر سے سترھویں صدی کے اواخر میں ہوئی یہ زبان بھی جدید ہند آریائی کی ایک شاخ ہے۔ موجودہ زمانے میں ریاست ہائے آندھرا، تلنگانہ، مہاراسٹرا، کرناٹک اور تاملناڈو جنوبی ہند کہلاتے ہیں اور یہاں پر جو اردو زبان بولی جاتی ہے وہ دکنی زبان کہلاتی ہے۔ علاء الدین کے دیو گیر حملہ سے قبل ہی شمال کے مسلمان صوفی دیو گیر آنے لگے تھے۔ تاہم شمال کے ہند آریائی زبانیں بولنے والوں کی ایک خاصی تعداد دکن میں آ گئی اس طرح لسانی اثرات کی اشاعت کے لئے راستہ کھل گیا۔ جنوبی ہند کا راستہ کھل جانے کے بعد کئی صوفیا اور عالموں نے جنوبی ہند کا رخ کیا اور اسلام کے پیغام کو دکن کے مختلف علاقوں میں پہنچایا۔ اس پیغام کو عوام تک پہنچانے کے لئے انھوں نے مقامی زبان کو وسیلہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم دکنی ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں شاعری کے مختلف اقسام کے علاوہ اسلامیات یعنی تفسیر، ترجمہ قرآن، حدیث، فقہ، تصوف و اخلاق کے نمونے ملتے ہیں۔ دکن کے کئی ادبی شاہکاروں میں لفظ ''دکنی'' استعمال ہوا ہے۔ ملاّ وجہی نے اپنی مثنوی ''قطب مشتری'' میں اپنی زبان کو دکنی سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

دکھنی میں جون دکھنی مٹھی بات ہے
ادا نیہیں کیا کوئی اس دھات کا

اسی طرح رستمی نے بھی اپنی تصنیف ''خاور نامہ'' میں کہتا ہے ؎

کیا ترجمہ دکھنی ہور دلپذیر
بولیا معجزہ یو کمال کان دبیر

اس کی ایک اور مثال ابنِ نشاطی کے حوالہ سے ملاحظہ ہو:

ایسے ہر کس کتیں سمجھا کون تون بول ؎

دکھنی کے باتاں ساریاں کو کھول

شاہ نور اللہ بادشاہ بخاری کی منظوم تصنیف ''عقائدِ نوریہ'' سے مثال ملاحظہ ہو:

ے اکر علم نیں کس تو اتنا تو بھی

کہا ہوں جو دکھنی زبان سوں سبھی

مندرجہ بالا مثالوں سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ مسلسل کئی سال تک دکنی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دکنی ادب کو اسی لفظ سے یاد کیا جا تا رہا ہے۔ بعض ادبی شاہکاروں میں تو ہندی یا ہندوی بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کی چند ایک مثالیں ہمیں رائل سیما کے ادبی شہ پاروں میں بھی نظر آتی ہیں۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں' ہندوستان کی مختلف زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ کبھی کبھی کلام میں تلگو، مراٹھی، کنڑی کا کوئی لفظ آجاتا ہے، اوراس دور میں مروّج دیگر الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں بعض الفاظ جو دکن میں مراٹھی سے مستعار لئے گئے ہیں، مثلاً نکو' کیتیک وغیرہ مراہٹی کا لفظ نکو سنسکرت ن کھل اور پراکرت نکّھو سے مشتق ہے۔ نکو حرف انکار اور نہیں کے معنی میں دکن میں آج بھی مستعمل ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں لفظ نکو کو بار بار استعمال کیا ہے۔ اس کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں ؎

ے کر نکو تنزیہ نفیِ وصف سے ہو معترف بول مت تشبیہ جسم وشکل ثابت کر سنبھال

(شاہ کمالؔ۔ مخزن العرفان)

ے اگر ڈھونڈے منجے فی الحالؔ پاوے نکو کر کاہلی ہو توں شتابی

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

ے تو میرے غیر سے ہرگز نکو منگ کہ سب عالم کوں یک مقصود ہوں میں

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

ے ترا مقصود میں ہوں نئیں ہے دوجا نکو منج باج ہرگز کس کی پوجا

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

ے لےنکو درس کتابِ معرفت عاشقی کے علم کے استاد بن

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

ے ڈ رنکو رکھ ا مید محکم تر تجھ سے ہوں مہرباں امت پر

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

احمد جنیدی کی مثنوی ''ماہِ پیکر'' سے میں اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں۔جو حسبِ ذیل ہیں:

ے اے لیجا کے پیکر کے توں پاس دے نکو دے امید توں نکو آس دے

ے نکو کر تو غصّہ سو پیکر ا و پر کہ پیکر ہے تجہ گھر کا چاکر نکر

ے کہ پیکر کہیا یوں نکو پوچہ ا تیال جکچہ ہے سو ہے خوب میرا احوال

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری لسانی اعتبار سے دلچسپ شاعری ہے۔الف نون کے الحاق سے عام طور پر جمع بنتی ہے۔البتہ اگر آخر میں الف ہو تو یہ الف (ی) کے ساتھ بدل دیا جاتا ہے۔رائل سیما کے صوفی شعراء دکنی کے عام صرفی اور لسانی اصولوں پر کاربند نظر آتے ہیں۔اسم کی جمع بنانے کے لئے دکنی میں بالعموم ''ا'' اور ''ں'' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔مثلاً ہات کی جمع ہاتاں پاوں کی جمع پاواں، رگ کی جمع رگاں، شکر کی جمع شکراں اور زخم کی جمع زخماں وغیرہ۔دکنی زبان میں جمع کے صیغے بنانے کا یہ طریقہ ہریانی زبان کے اثر سے ہے۔جمع بنانے کے اسی عام اصول پر رائل سیما کے صوفی شعراء نے بھی عمل کیا ہے، جیسا کہ حسبِ ذیل اشعار سے پتا چلتا ہے۔

جمع:

ے اوڑا مجھ گناہاں پہ سر تا قدم
کرم کی ردا یا حبیبِ خدا

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

ے دیکھنا آنکھیاں سے ہر یک شکل و رنگ
اے عجب تجھ کوں نہیں اتنی خبر

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

ے خدالوگاں کے دشمن غافلاں ہیں
ہمارا بھی خدا ہے مصطفیٰ ہے

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ شاہ فی الحال)

ے جوکوئی اندھے دلاں ہیں اس دیدِ حق سے
وہ اندھاپن سدا ان پر بلا ہے

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ شاہ فی الحال)

حضرت شاہ کمالؔ کی یہ غزل ملاحظہ ہو جس کے تمام کے تمام قوافی کی جمع اسی اصول پر ہے ے

عین حق ہے جملہ اعیاں کا محیط   آب دریا جوں کہ موجاں کا محیط
مشتمل یک ذات کل اشیا کے تئیں   یوں دسے جوں شخص عکساں کا محیط
یا کہ در گیرندۂ عالم تمام   جوں کہ باراں ہے درختاں کا محیط
یا سیاہی ہے نقط کو جوں شمول   یا الف ہے جوں کہ حرفاں کا محیط
یا ہے تابش جوں محیط گوہران   یا ہے سوزش جوں چراغاں کا محیط
یا ہیولا جوں محیط ہر بدن   یا کہ ہے جوں موم شکلاں کا محیط
یا ہے آتش سنگ کے سنگات جوں   یا برنگ حسنِ خوباں کا محیط
یا محیط مئے ہے مستی کے مثال   یا نمک جوں طعم الواں کا محیط
یا مٹھائی متصل میویان سے جوں   یا کہ جوں خوشبوئے پھولاں کا محیط
باوجود آنکہ حق ہے بے ہمہ   باہمہ ہے یعنی خلقاں کا محیط
جملہ چیزان سے بری جس آن ہے   ہے اوسی آن جملہ چیزاں کا محیط
از سر تنزیہ مطلق از قُیود   و زِ سرِ تشبیہ کہ یہاں کا محیط
حق تعالیٰ جوں رسول پاک کا   تیوں رسولؐ پاک اکواں کا محیط
ہو احد احمدؐ و احمدؐ شاہ میر   ہے میرے پیدا و پنہاں کا محیط

حیف غافل اوس سے ہے تو اے کمالؔ
جو ہے تجھ نفس و دل و جاں کا محیط
(شاہ کمالؔ-مخزن العرفان)

باٹ تلگو کا لفظ ہے جس کے معنی راستہ کے ہیں۔رائل سیما کے صوفی شاعر حضرت شاہ کمالؔ نے اس لفظ کو'اں' لگا کر دکنی قاعدے کے مطابق جمع بنائی ہے۔

ے عینیت غیریت چکّی کے دو پاٹاں
اللہ اور نبی سے ملنے دو باٹاں

دکنی کے دیگر شعراء نے بھی جمع بنانے کے اسی اصول پر عمل کیا ہے۔حسبِ ذیل اشعار سے اس کی مثالیں ملاحظہ ہو:

احمد جنیدی کی مثنوی''ماہِ پیکر'' سے مثال

ے ہاتاں ہور پاواں نہ کچھ زور تھا
رگاں میں سونیہ کا اوشر سور تھا

ے دعایاں وتعویذاں کئی دھات کے
لکھا کر منگائے سواس بات کے

حسن علی عزّت کی مثنوی''اضرابِ سلطانی'' سے جمع کی مثالیں

ے فضا اس کی آنکھیاں میں پھرنے لگی
قدر دل میں اس کے سٹیا دھگد گی

ے کتوں نے جو گئے تھے یہاں سوں نھاٹ
سٹے ان کے ہاتاں و پاواں کو کاٹ

افعالِ ناقص: فعالِ ناقص میں اتھا، اتھے، اتھیاں، اور تھیاں رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں بار بار ہماری نظر سے گذرتے ہیں۔ذیل میں اس کی چند مثالیں درج ہیں:

ے سرا سر او سفرے پہ حاضر اتھے

خوش وطرفہ ترنغز ونادرا تھے

(شاہ کمالؔ ۔ضیافت نامہ)

ے پچھے کانسۂ چینی یک صاف تر
اتھا شہد خالص بھرا جس بہتر

(شاہ کمالؔ ۔ضیافت نامہ)

ے بز اس قوم پر قوم آتے اتھے
طعام اس طبق میں سے کھاتے اتھے

(شاہ کمالؔ ۔ضیافت نامہ)

ے تحیّر مجھے ایک فرزندا تھا
نپٹ ارجمند ایک دلبند اتھا

(شاہ فی الحالؔ ۔دیوانِ شاہ فی الحالؔ)

ے اتھا ایک فرزندا سے عشق کر
میں اس کا ہوں خالق وہ میرا پسر

(شاہ فی الحالؔ ۔دیوانِ شاہ فی الحالؔ)

ے اسے ایک بیٹی کلمہ ککر
اتھی خوب روازازل خوب تر

(شاہ فی الحالؔ ۔دیوانِ شاہ فی الحالؔ)

ے ازل پچھیسا اتھا اوصد
ابد میں بھی ویسا چہ ہی اواحد

(شاہ نورؔ ۔عقائدِ نوریہ)

دکنی کے دیگر شعراء کے کلام سے بھی افعالِ ناقص کی مثالیں ملاحظہ ہو:
حسن علی عزّت کی مثنوی ''اضرابِ سلطانی'' سے افعالِ ناقص کی مثال

بھی ہاتھی اتھے دس اور گھوڑے تمام
معہ زین و خوگیر و تنگ و لجام

اتھے دو ہزار اور خچر بقر
ہزاراں کے گنتی سوں تھے بیشتر

اتھا ہم کو یورش کوں کر بے سخن
ذبح کر کو سٹتے ہیں بکریاں نمن

احمد جنیدی کی مثنوی ''ماہِ پیکر'' سے افعالِ ناقص کی مثال

نبی بیٹھے یک دن سو یاراں سنگات
مسجد میں اتھے سارے اصحاب سات

کھیا یار میرا او جانی اہے
گیانی ہوئے او ایمانی اہے

کھڑے تھے سو خدمت میں پیادے تمام
کہ حاضر اتھی ساری پیکر کی کام

او دونوں اہیں نیک اور پاکباز
دلی ان کو کیتا ہے او بے نیاز

ملّا وجہی کی مثنوی ''قطب مشتری'' سے فعلِ ناقص کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

توں اول توں آخر توں قادر اہے
توں مالک توں باطن توں ظاہر اہے

کہ نیہ کا خبر نیں یو دھرتے اہیں
چھوٹی بات چیچ کرتے اہیں

اتھا اس رین کوں عجب کچھ نور
کہ لاکھاں تے چانداں کروڑوں تے سور

ابنِ نشاطی کی مثنوی ''پھول بن'' سے فعلِ ناقص کی مثال ملاحظہ ہو:

؎ جو کچھ دھرنا سو سب دھرنا اتھا وہ
شہی اس دھات سوں کرتا اتھا وو

دکنی میں فعلِ ناقص کی جمع بنانے کا عام دستور ہے۔تھی کی جمع تھیاں اور اتھی کی جمع اتھیاں کی مثالیں نظم ونثر میں اکثر جگہ نظر آتی ہیں۔اس کی ایک مثال مثنوی ''یوسف زلیخا'' کے حوالے سے ملاحظہ ہو:

؎ ولے جب دین ناہیں بوجتیاں تھیاں
سو پتایاں ہوی پتلیاں پوجتیاں تھیاں

جنس(مذکر۔مونث):رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں بھی دیگر دکنی اردو تصانیف کی طرح تذکیروتانیث کے ضمن میں بڑی بے قاعدگی نظر آتی ہے۔موجودہ دور میں بعض الفاظ جو مونث بولے جاتے ہیں انھیں رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنے عہد کے قواعد کے مطابق مذکر استعمال کیا ہے۔اسی طرح صیغہ مذکر کی جگہ اکثر مونث لایا گیا ہے۔اس کی متعدد مثالیں ہم کو رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں نظر آتی ہیں۔جیسے

؎ تجھ حب کا جب سے **لذت** پائی ہوں اے دھنی میں
تب سے بندھی ہوں اپنی راحت سے دشمنی میں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں لذّت کو مذکر باندھا ہے۔

؎ ذات سے بے واسطہ ہے وصل کا **لذت** اسے
واسطے سے اس کے پاکل جہاں قرب ووصال

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں بھی لذّت کو مذکر باندھا ہے۔

؎ کرامات خاتون جنت ہی یہ

انو پر خدا کا عنایت ہی یہ

(شاہ کمالؔ-ضیافت نامہ)

مندرجہ بالا شعر میں عنایت کو مذکر باندھا ہے۔

ے روانہ ہوئے سوئے بیت الشرف

بھی اصحاب اپنے گھروں کے طرف

(شاہ کمالؔ-مخزن العرفان)

ے خدا مصطفیٰ سے جو ہو بیر پر

ہوئے عاقبت اس کا کیوں خیر پر

(شاہ کمالؔ-مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں عاقبت کو مذکر باندھا ہے۔

ے میں کہا یہ کس کا آواز ولحن

جو نہ شیریں تر ہی اوس سے کوئی بچن

(شاہ کمالؔ-معراج نامہ)

مندرجہ بالا شعر میں آواز کو مذکر باندھا ہے۔

ے انکو دعوت دو شہادت کے طرف

کر ہمیشہ کی سعادت کے طرف

(شاہ کمالؔ-معراج نامہ)

اس شعر میں شہادت کو مذکر باندھا ہے۔

ے بھلی حمام کی گل بلکہ بت خانہ کی سل اس سے

فراموش ہو کے جس دل سے خدا کا یاد جاتا ہے

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں یاد کو مذکر باندھا ہے۔

ے بسم اللہ سے کرنا چکی کا ابتداء

وحدت کے آٹے میں برکت دے گا خدا

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں ابتداء کو مذکر باندھا ہے۔

ے چکی کو پھرانا ارشاد کی قوّت سے

ہُو ہُو آواز اس میں آتا ہے قدرت کا

(شاہ کمالؔ- مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں آواز کو مذکر باندھا ہے۔

دکنی میں بہت سے الفاظ کے لئے جواب مذکر استعمال ہوتے ہیں صیغہ مؤنث لایا گیا ہے اور اسی طرح مونث کے بجائے مذکر مستعمل ہے۔ دکنی کے ابتدائی فن پاروں میں اس طرح کی کئی مثالیں ہمیں جا بجا نظر آتی ہیں۔ اس کی چند ایک مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

احمد گجراتی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' سے ایک آدھ مثال ملاحظہ ہو: ع

نظر کر دیک اس کی پیرہن پر

زیادت شاعری کی فن دکھاؤں

شہنشہ کن کرے کن ذکر میری وغیرہ۔

خوب محمد چشتی کی تصنیف ''خوب ترنگ'' میں خلاف قاعدہ صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے آواز کے لئے تذکیر کا صیغہ اور مقصود کے لئے تانیث کا صیغہ:

ء تنہ پڑ چھندا ہے آواز

ء اون کی بھی حق ہے مقصود

قطب مشتری سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

غنی دین سب کفر قلاش ہوا
شجاعت ترا جگ میں یوں فاش ہوا

اپی ہو تجے کیوں کیوں میں کہ جا
اگر جائے گا شہ تو تیرا رضا

ماضی مطلق: ماضی مطلق بنانے کے لئے مصدر کے بعد ''ی'' اور ''ا'' کا اضافہ بھی دکنی قواعد کی ایک عام خصوصیت ہے۔ کبھی ماضی مطلق بنانے کے لئے ''ء'' اور ''ی'' کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں جابجا اس کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ جیسے ؎

دو جہاں سے عاشقاں بے باک ہیں
کیا ملیا ہے ان کو تخت و تاج آج

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

اگر ڈھونڈے منجے فی الحالؔ پاوے
جو کھولیا خلق پر درگا ہوں میں

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

ذات مطلق متصف ہو کر تمام اوصاف سیں
نام مومن پائیاں ممکن ہوا ایمان کا

(شاہ نورؔ۔ تجلیٔ انوار)

جو تمہارے مکھ کا قرآن دیکھ کر ایمان لائیا
پھر کے مت کافر اسے زنّار کا کل سے کرو

(شاہ کمالؔ۔ مخزن العرفان)

ماضی مطلق میں دکنی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ایسے افعال جو ''یا'' پر ختم ہوتے ہیں انھیں

ماضی مطلق بنانے کے لیے مصدر کا نا گرا کر''یا'' لگا دیا جاتا ہے۔مثنوی یوسف زلیخا سے بھی اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہو:

مگر بہودھیاں اس مکھ کا رکھیا چت
رھیا ہے تن یہاں ہے جیو اس کن

تیرے وعدے اپرائے آس باندھیا
زلیخا کو بھریا دھن مال سنپت

اول تاکید سوں یہ پند بولیا
پچھیں تعبیر چے کچ ہے سو کھولیا

خوشی سو دھن پر اس امول لوٹیا
مناجات اس بندے کا جب قبولیا

ملاّ وجہی کی مثنوی ''قطب مشتری'' سے ماضی مطلق کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہو:

تو ں جھاڑاں کوں کپڑے دیا سبز پان
معلق رکھیا ہے زمین آسمان ؎

چڑیا پیٹ پر اس کی وو ماہتاب ؎

لگیا اڑنے آسمان پر جیوں شہاب

ضمائر: رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ضمائر کا خاصا تنوّع نظر آتا ہے۔ مثلاً
او، اپن، ہمن، انے، ہمنا، ہمیں، کن، تمنا، تمن، منج، منجے، اینو، انو اور اونو وغیرہ۔

او:

ے اوسنتا ہے لیکن اوسی کان نیں
اونیں دیکھتا سو کوئی آن نیں

(شاہ نورؔ۔ عقائد نوریہ)

منج:

ے اندھاری رات میں منج یاد کر توں
پکارے دل منے رکھ یو نظر توں

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

منجے:

ے منجے بندے اپر ہے نعمتاں لئی
وگر انعام و بخشش بیکراں لئی

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

منجے؛

ے منجے سجدے منے نت پائے گا توں
اگر اخلاص لے کر آئے گا توں

(شاہ فی الحالؔ۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

ہمن:

؎ خدا امت مر و کر کہا ہے ہمن
ہمن کیوں مریں ہو کے بے وطن
(شاہ فی الحآل-دیوانِ شاہ فی الحال)

مجہ؛

؎ بحق بتولِ حمیدہ صفات
اگن سے جہنم کے دے مجہ نجات
(شاہ کمآل-ضیافت نامہ)

ہمن:

؎ نپٹ سہل ہے کچھ بھی مشکل نہیں
بحق بخشوانا ہمن یا نبی
(شاہ کمآل-مخزن العرفان)

انے:

؎ رہی تو انا الحق نہ کہتا اُنے
وہ کہتا انا عبد دو جگ منے
(شاہ فی الحآل-دیوانِ شاہ فی الحال)

اُنوں:

؎ نقی و ہم تقی ہے عسکری مہدی کا ہوں فدوی
ہمارے چشم باطن کو اُنوں کی خاک پا حافظ
(شاہ فی الحآل-دیوانِ شاہ فی الحال)

اسم فاعل: اسم فاعل کی چند مثال رائل سیما کی صوفیانہ شاعری سے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ے اگر ڈھونڈے منجے فی الحآل پاوے
جوایک نیکی کوں بخشنہاردس ہوں

(شاہ فی الحآل۔ دیوانِ شاہ فی الحال)

اسم فاعل کی چند مثالیں دکنی کی دیگر تصانیف سے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مثنوی 'ماہِ پیکر' سے

ے کہاں ہے سولکھن سواد شہہ سوار
کہاں ہے میرا جیو لیجان ہار

کہ آساں کرنہار او پروردگار
کہ رحمت کرے گا بلا کی سوٹھار

نکو ہوتو دلگیر اس بات تے
رکھن ہار ہے رب بوری گھات تے

جوں راکس ہوانساں کوکھانہار
سو آیا منجہ اوپر نین کاڑ بھار

الٰہی توں پیدا کرنہار ہے
جلکچہ توں کرے جگ کو اقرار ہے

فعل کی جمع: دکنی میں فعل کی جمع بنانے کا یہ طریقہ رائج تھا کہ فاعل جمع مونث ہوتو اس کی مناسبت سے فعل کی جمع بھی بنائی جاتی تھی۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری سے چند اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

بعد از ساری بیویاں دلہن سے سکھیاں ہیں
زباں پر راکھیاں ہیں دلوں میں لکھیاں ہیں

(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

مندرجہ بالا شعر میں بیویاں فاعل جمع مونث ہے۔اس کی مناسبت سے فعل کی جمع سکھیاں، راکھیاں اور لکھیاں بنائی گئی ہے۔

آپس میں بولیاں یوں شادی خاطر جانا
بصیرا خانم کو تخت پو چڑانا

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ شاہ فی الحال)

اس شعر میں بولیاں فعل کی جمع بنائی گئی ہے۔

سارے سہلیاں مل کو ذاتی گیتاں گایاں
انا نور کی ہلدی عارس کو لگایاں

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ شاہ فی الحال)

سہلیاں فاعل جمع مونث ہے اس کی مناسبت سے فعل کی جمع گایاں اور لگایاں بنائی گئی ہے۔

نوری مہندی لے کر جمعیت سوں آیاں
عارس ہور نوشو پو ذاتی گیتاں گایاں

(شاہ فی الحالؔ۔دیوانِ شاہ فی الحال)

سنواریاں اور بنایاں سوسہیلیاں ہوگیان پیاریان ؎
زری کو پہن کر ٹک بھی پیا کونئیں رچائی میں
(شاہ کمالؔ۔مخزن العرفان)

اس شعر میں بھی سہیلیاں فاعل جمع مونث کی مناسبت سے فعل کی جمع سنواریاں اور بنایاں بنائی گئی ہے۔
احمد جنیدی کی مثنوی ''ماہِ پیکر'' میں اس کی مثالیں خاصی تعداد میں مل جاتی ہیں۔ چند اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں ؎

جا گا جا گا جس کوں کہ معلوم تھا
کہ دیکھیاں سو جا جا جتا تھا وتا

فکر مند ہو کر سو سب مل کھڑیاں
سنیا پھوٹ سب کا سوار ڑا اپڑیاں

چلیاں لیکہ ناریاں سو سب مل تمام
نہلایاں دھلایاں لیجا درحمام

ملیاں ناریاں ساریاں مثال
رکھی ماہ ان میں شندر جگ اوجال

اسی طرح احمد گجراتی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' سے چند اشعار ملاحظہ ہو ؎

کھڑیاں یک پاؤں پر جوں سرو اچھو سب

پہنیاں اوڑیاں سوں تن پر زرنگاری

کلیاں تازیاں کھلیاں جب سیج گھالے

اٹھے مشتاق بیٹھیاں جے اٹھے کب

سنے کیاں پتلیاں جیساں کھڑیاں سو

دکنی کے دوسرے شعراء کی طرح رائل سیما کے صوفی شعراء نے بھی مصمتوں میں ''ھ'' کا استعمال مختلف جگہوں پر مختلف طریقوں سے کیا ہے۔ جیسے بہت کو بہوت، ''ھ'' کو ''ا'' سے بدلنا جیسے مرتبہ کو مرتبا، بھروسہ کو بھروسا، بارہ کو بارا اور کبھی ''ھ'' کی تقدیم و تاخیر جیسے باہر کو بہار، پہچان کو پچھان، اور کبھی ''ھ'' کو حذف کرنا جیسے ساتھ کو سات' دیکھ کو دیک ، چڑھ کو چڑ، رکھ کو رک، ہاتھ کو ہات، گواہ کو گوا، بھی کو بی، اور بھنگ کو بنگ وغیرہ۔ رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں مختفی ''ھ'' اور مخلوط ''ھ'' کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

بھروسا۔ بھروسہ

نکر غیر پر اعتماد تمام

کہ غیرِ خدا پر بھروسا حرام

اعتماد اس کے عفو و رحمت پر

اور بھروسا تری شفاعت پر

بارا۔ بارہ

صاحب خبر سوں پا خبر دیدار سوں ہو با نصیب

مغرور کا دونوں جہاں میں کام بارا باٹ ہے

بہوت۔ بہت

ے انا الحق وہ ہے حق انا ربکم

کہ تحقیق وتقلید میں **بہوت** بیتر ہے

پچھان - پہچان

ے شریعت طریقت حقیقت کوں جان

مع معرفت چار مذہب **پچھان**

بھار - باہر

ے جاگنا کئے تو کیا تو ہوشیار

بھار بھیتر کھڑا ہے تیرا یار

تمارا۔تمہارا

ے گرا ہوں بحرِ وحدت میں نبی اللہ کرم کرنا

ہمارے حفظِ دل کے تئیں **تمارا** آسرا حافظ

سات ۔ساتھ

ے حب الوطن تیرا کہاں چھوڑا وطن کس دھات بول

کیا **سات** لے آیا یہاں لے جائے گا کیا سات بول

ہات ۔ہاتھ

ے آیا کٹمبہ چھوڑ کر کیتا کسب دل توڑ کر

پن نئیں رکھا کچھ جوڑ کر کیوں جائے گا کس **ہات** بول

ہات ۔ہاتھ

ے انا الحق ھو الحق کی یو بات ہے

مقلد کے حق بر پیر کے **ہات** ہے

گوا۔ گواہ

ے یعنی کر اس بات پر ان کو گوا
جنے نہیں معبود کوئی میرے سوا

رک۔ رکھ

ے تر و تازہ رک کر بابِ قبول
معتر مشام روانِ عدول

دیک۔ دیکھ

ے سالک شاہد واحد دیک
یک ہور دوسرا تسرا ایک

بی۔ بھی

ے ذات رب کی جسم و جسمانی نہیں
نفس بی نیں اور نفسانی نہیں

چڑ۔ چڑھ

ے توحید کے معراج کو چڑ نفس براق آ
جا قرب محل بیٹھ کے لاہوت کا رفرف

بنگ۔ بھنگ

ے کیا کام عقل و ہوش سے اس مست دنگ کو
جس نے پیا پیا کے محبت کے بنگ کو

بھی ان کا اسم اعظم اپنے نام پاک کے ساتھ لکھا ہے عرش و کرسی اپر زکلک قدر

دکنی میں تخفیف صوت کا بھی رجحان موجود ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء کی زبان اپنے عہد

کے اس میلان کی زد سے کیسے بچ سکتی تھی۔تخفیف صوت کے ساتھ ساتھ رائل سیما کے صوفی شعراء کی زبان میں مصمتوں کی آواز کو طویل کرنے کا رجحان بھی نمایاں ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں پونم کو پنم، ہاتھ کو ہت ، لیجا کو لجا، کہوں کو کوں، سندر کو سوندر، سچّے کو سانچے، سچ کو سانچ ، کنجی کو کونجی لکھا ہے۔رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ذیل کے شعر میں پونم کو پنم

؎ زمیں نئیں آسماں نئیں ہے دیکھو شمس و قمر تارا

محمد پئیو ہمارے ہیں پنم کا چاند سارا

ذیل کے شعر میں ہاتھ کو تخفیف کر کے ہت بنا یا گیا ہے ۔

؎ نہ دے دیو مرتد کی ہت جن مجھے

کہا مرشدا یا حبیبِ خدا

ذیل کے شعر میں لے جا کو تخفیف کر کے لجا بنا یا گیا ہے ۔

؎ رکھا اپنے دل کے دُرج میں کر درج اسے جتن

مت بیچنے لجا یہ گھر گھر بہ گھر کمال

ذیل کے شعر میں کہوں کو تخفیف کر کے کوں کر دیا گیا ہے ۔

؎ شہمیر ہے غنی اور درویش ہے کماآلی

درویش کو غنی سے کر دق نہ کوں تو کیا کوں

اس شعر میں سندر کو سوندر کر کے مصوتے کی آواز کو طویل کر دیا گیا ہے۔

؎ گیانی سوندر ہے سو بوجے میری بتیاں

ست گت کے کاجل سے روشن جس کی نیناں

ذیل کے شعر میں سچ کو سانچ لکھا گیا ہے۔جس سے مصوتے کی آواز طویل ہوگئی ہے۔

ے ایمان سمجھ تو سانچ کو اور کفر جھوٹ کو

باطل میں حق میں فرق کا گر ہے ہنر کمال

اس شعر میں کنجی کو کونجی لکھ کے مصوتے کو طویل کر دیا گیا ہے۔

ے دل کا صندوق کھولو کلمہ کی لئیو کونجی

اللہ کی پہچانت اس میں مایا پونجی

دکنی زبان میں نام کو ناؤں، نانوں اور نانو کہتے ہیں۔حضرت شاہ کمالؔ نے اپنے چکی نامے میں نام کو ناؤں لکھا ہے۔چکی نامے کا شعر ملاحظہ ہو:

ے بسم اللہ بسم اللہ سمرن میرے من کا

ہردم ہے وظیفہ ناؤں اس ساجن کا

دکن کے دیگر شعراء کے کلام میں بھی نام کو نانوں، نانو لکھا گیا ہے۔ابنِ نشاطی کی مثنوی ’’پھول بن‘‘ سے مثال درج ذیل ہے۔

ے کتے یک شہر مشرق کے کدن تھا

کہ اس کا نانوں سوں کنچن پٹن تھا

ے جدھر دیکھے بی کنچن تھا کنچن تھا

اسی تے نانو اس کنچن پٹن تھا

رائل سیما کے علاقے میں آج بھی نام کو ناؤں کہتے ہیں۔

تلگو اور سنسکرت کے الفاظ: رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنے کلام میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کو بھی بڑے سلیقے سے استعمال کیا ہے۔یہ الفاظ فطری طور پر شامل ہو گئے ہیں۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں ے

آکاس۔آسمان، خلا

کاں ترا شان کاں صفت میری

کاں زمیں پست کاں بلند آکاس

داس ۔غلام،نوکر

حق ہے مولا ترا توں حق کا عبد

توں ہے صاحب مرا میں ترا داس

پدمنی ۔کنول،عورتوں میں اول درجے کی خوب صورت اور نازک عورت

جسے پیر کامل ملا اس کو حاصل ہوا شاہدِ غیب کا وصل مطلق

او عاشق ہوا درشنِ پدمنی کا کہ دیکھا رخِ موضع دیب سنگل

گیان ۔علم،علمِ الٰہی،عقل،عرفان

انجن ۔سُرمہ،کاجل

نرنجن ۔خدا،ایشور

جب چشم کو روشن نہ کرے گیان کا انجن

مظہر میں نہ مُظہر کا دسے نور نرنجن

دھرت ۔زمیں،مٹی،اراضی

گگن ۔آسمان،نہایت اونچا

پاتال ۔ہندو دیو مالا کے مطابق زمین کے سات طبقوں میں سے سب سے نیچے کا طبق جہاں ناگ رہتے ہیں،تحت الثریٰ،دوزخ،غار

منجے ہے آسماں ہور سب فرشتے

دھرت ساتوں گگن پاتال وابتر

مارگ ۔راستہ،شاہراہ

اس انا کو کر فنا ذاتی انا میں اے عزیز

نئیں تو اس مارگ منے شیطانگی باقی رہے

باٹ ۔راستہ

صاحب خبر سوں پا خبر دیدار سوں ہو بانصیب

مغرور کا دونوں جہاں میں کام بارا باٹ ہے

عینیت غیریت چکّی کے دو پاٹاں

اللہ اور نبی سے ملنے کے دو باٹاں

دھیان ۔خیال، توجہ، فکر، لحاظ

نردھان ۔مفلس، نادار، کنگال

یا د کر نا و ذ و ا لمعا ر ف کو ں

دھیان میں دھیان دھنا ہے سو نردھان

علم نسبت پر پیر روشن دل سے کر کر اقتباس

رات دن اپنا وظیفہ رکھ اسی کا دھیان توں

دھنی ۔دولت مند، آقا، مالک

سنا ہوں کہ یک روز عثمانِ غنی

نبوت کے دو نور کے او دھنی

گیانی ۔عارف، فاضل

سوندر ۔خوبصورت، حسین وجمیل

نیناں ۔عین کی جمع، آنکھیں

گیا نی سو ند ر ہے سو بو جے میری بتیا ں

ست گت کے کاجل سے روشن جس کی نیناں

چاتر دھن۔ہشیار، عقلمند، معشوق

پیو۔ پیارا، محبوب

مکھ۔مُنہ، چہرہ

ایسا چکی نامہ چاتر دھن کوئی گاوے

چکی کے گھونگٹ میں پیو کا مکھ بجھاوے

سوگند۔قسم، قول، عہد

کہو تم کو صنم سوگند رب ہے

تغافل ہم سے بارے کیا سبب ہے

مکھ۔مُنہ، چہرہ

تمہارے مکھ کے زلفوں کی قسم ہے

کہ تم بن ہم پہ ہر دن مثلِ شب ہے

چرن۔ پاؤں، قدم

سرِّ غیبی کیا تو مجھ پہ عیان

تجھ چرن پر نثار ہے دل وجان

کارن۔سبب، باعث، خاطر

جوگنی۔وہ عورت جس نے دنیا ترک کر کے فقیری لے لی ہو، ہندو فقیر

قمری نمن لگا کر سب تن کو راکھ اپنے

تجھ سرو قد کارن بن گئی ہوں جوگنی میں

اگن۔آگ

بعدہٗ ہے جان ارواح ومثال

جاں اگن پانی پوں پانی نہیں

آدہار۔سہارا

نرادہار۔بےسہارا

تم ہو ہر دادخواہ کے دادار

ہر نرادہار کے تمہیں آدہار

نگوڑی۔نکمّی، ناکارہ

پیا کہے آپ کو مجھ میں چھپا اوران کو ظاہر کر

نگوڑی آشکارا آپ ہو پیئو کو چھپائی میں

دیول۔مندر

پیا کہے جان ودل ترے محل او خاص ہیں میرے

اسے دیول بنا ہے ہے ہوا کا بت بٹھائی میں

اپکار۔احسان

گفتم کہ تیرے عشق میں دل خوار ہے تن زار ہے

گفتا کہ اپنا شوق ہے کہ کس پہ کیا اپکار رہے

گفتم نہیں اپکار یہ اظہار رہے احوال کا

گفتا کہ عاشق کو روا کب حال کا اظہار رہے

متروک الفاظ: رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جو موجودہ دور کی اردو زبان میں متروک ہو چکے ہیں۔مگر یہ الفاظ اس دور میں مروج تھے۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں ے

کنکر.

اسے ایک بیٹی کلمہ کر
اتھی خوب روازازل خوب تر

کرکر.

خدادرپن محمد درپن اور میں
جہاں درپن تو لے تحقیق کرکر

روز وشب کوایک کرکر دیکھ توں
ہو مصفا او رمجلاّ شمس وار

کرآزاد دوزخ سے جنت مجھار
لیجاویں براقوں پو کرکر سوار

دیکھ کہ کرکر ظہور آپ ہوا شخص عکس
رتبہ ثانی میں ہے جلوہ نما شخص عکس

ٹک.

سنو خوب انصاف کے گوش سے
کروٹک نظر دیدۂ ہوش سے

لگ.

پس لجائے مجکو کرسیکی فراز
بعدۂ چاہا جہاں لگ بے نیاز

کبلک .

بارِغم سے فلک آسا رہوں **کبلک** جھک کر
نظرِ لطف مری حال زبوں پر ٹک کر

نام کو کب **لک** سنون نا دیکھ کر تیرا نشان
کر بدل کسبِ بصر سے یا نبی یہ شغلِ سمع
اے ستمگر تجھ تغافل کا جفا کب **لک** سہوں
اب تو کر کچھ غم گُساری عاشقِ غم خوار کی

جب لگ، تب لک.

جب لگ فنا نہ ہووے تو آپ سے کمال
تب لک تجھے میسّر حق سے بقا نہیں

ابلگ .

تجھ وصل بن دنیا منے جینے سوں مجھ مرنا بھلا
ابلگ گگن پہ کاش کے مجھ سیس پر دہلنا پڑیا

اس مطالعے سے یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنی صوفیانہ تعلیمات کو شاعری میں پیش کرتے ہوئے اپنے ہم عصر ادبی معیار کا خیال رکھنے کے باوصف اپنے زمانے کی تہذیبی قدروں کو پیش کیا ہے۔اس مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں کس طرح کا لباس، کس طرح کے لوازماتِ طعام اور کس طرح کے آداب واخلاق تھے۔اس زمانے کے کئی زیورات اور لباس کے کئی نمونے آج ترک ہو چکے ہیں۔علاوہ ازیں، دکنی زبان کا لسانی مطالعہ ہمیشہ سے

دلچسپ رہا ہے۔ یہاں جولسانی مطالعے پیش کیے گئے ہیں اس کے تحت یہ دکھایا گیا ہے کہ دکن کے دوسرے علاقوں میں دکنی ارود کے جو قواعد مشتمل تھے کم وبیش وہی رائل سیما کے صوفی شعراء کے پاس ملتے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں اس میں مقامی رنگ بھی جھلک جاتا ہے جو دوسرے علاقوں میں نہیں پایا جاتا۔

حواشی

۱۔ پروفیسر عتیق اللہ، متعلقاتِ تہذیب اورادب، ماہنامہ کتب نما، دسمبر ۱۹۹۵ء

۲۔ گذشتہ لکھنؤ، مقدمہ، رشید حسن خاں، ص ۲۰۴

۳۔ پروفیسر عتیق اللہ، متعلقاتِ تہذیب اورادب، ماہنامہ کتب نما، دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۱۵

۴۔ مولانا غوثی شاہ، عقائدِ سنّیہ، ص ۲۳

۵۔ بدیع حسینی، دکن میں ریختی کا ارتقاء

۶۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر، مثنوی یوسف زلیخا، (پیش لفظ)

۷۔ مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام،

۸۔ ایضاً

۹۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر، دکنی رباعیاں،

اختتامیہ

اگر چہ اردو زبان کی داغ بیل آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے پڑ چکی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی نشو ونما اور ترقی پچھلے چار سو سالوں میں ہوئی۔ کسی بھی زبان کو بامِ عروج پر پہنچنے کے لئے یہ عرصہ بہت کم ہے مگر اردو زبان اپنی شیریں زبانی اور لطافتِ بیانی کے باعث دیگر زبانوں کے مقابلہ میں بہت جلد ہر دلعزیز اور معیاری زبان بن گئی۔ یہ صوفیاء کرام کی نظرِ کرم ہی کا اثر ہے کہ اردو زبان بہت جلد پھلی پھولی۔ صوفیاء کرام کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہندالولی خواجہ خواجگان علائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ المعروف بہ خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی ہندوستان میں آمد کے بعد یہاں اشاعتِ اسلام کا زرین باب شروع ہوا اور آپ کے بعد اہلِ چشت نے یہاں کی بولی اپنائی اور اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات کو یہاں کے اہلِ وطن تک پہنچایا۔ جن میں قابلِ ذکر شمال کے بزرگ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ، حضرت شیخ حمیدالدینؒ، حضرت بوعلی شاہ قلندری پانی پتی، حضرت امیر خسروؒ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت سراج الدین، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ، حضرت شیخ بہاء الدین باجنؒ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری ہیں۔ ان کے علاوہ ملکِ دکن و گجرات کے قابلِ ذکر بزرگوں میں حضرت گیسودراز بندہ نوازؒ، شیخ بہاء الدین باجن، شمس العشاق شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین جانم، شاہ امین الدین اعلیٰ، شاہ علی محمد جیوگام دھنی، میاں خوب محمد چشتی اور بابا شاہ حسینی ، حضرت عبدالحق مخدوم ساویؒ، حضرت ابوالحسن قربیؒ، حضرت سید محمد حسینی المعروف بہ شہ میر اولیاؒ، حضرت سید شاہ نوراللہ بخاریؒ اور حضرت شاہ کمالؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان ہی متاخرین بزرگوں کی صف میں رائل سیما کے صوفیاء کرام کے نام بھی ہیں۔

راقم الحروف نے ''رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا تہذیبی، ادبی اور لسانی جائزہ'' کے اس تحقیقی عنوان سے رائل سیما کے ان صوفیاء کرام کے ادبی کارناموں کو اجاگر کرنے اور ساتھ ہی ان تمام بنیادی باتوں اور معلومات کو جنھیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے ان کا ذکر بھی کرنے کی سعی کی ہے۔ اس تحقیق کے ذریعہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ علاقۂ رائل سیما میں اردو کی تاریخ کم و بیش تین سو برس سے بھی زیادہ ہے۔ رائل سیما کے صوفیائے کرام نے شاعری کا گراں قدر ذخیرہ اور وقیع متصوفانہ کلام کا سرمایہ یادگار چھوڑا، جس میں اردو شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اصنافِ سخن

میں غزلیات، رباعیات، مثنویات، مراثی، قصائد، قطعات، مناجات، حمد، نعت، منقبت، مسدس، مخمس، مستزاد، ریختیاں، چکّی نامے، شادی نامے اور بودنامے وغیرہ شامل ہیں۔ رائل سیما کے اردو ادب کی تاریخ صوفیانہ لٹریچر سے بھری پڑی ہے۔ رائل سیما میں صوفیانہ لٹریچر کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح یہاں بھی صوفیائے کرام نے تبلیغِ دین کے لئے قلم کا سہارا لیا۔ انھوں نے دکنی اردو میں چھوٹے بڑے کئی رسائل نثر میں لکھے ہیں تو شاعری کے ذریعہ بھی اپنے پیام کو عوام تک پہنچایا ہے۔ اس لٹریچر کی جہاں دینی ایک تاریخی اہمیت ہے وہیں اس کی تہذیبی، ادبی اور لسانی اہمیت بھی ہے۔ جیسے جیسے دن گذرتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ رائل سیما میں کم و بیش تین سو سال پر محیط صوفیانہ لٹریچر موجود ہے۔ یہ لٹریچر کچھ مطبوعہ شکل میں ہے تو کچھ مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہے۔

رائل سیما، آندھرا پردیش کا ایک مردم خیز علاقہ ہے۔ تلنگانہ کی علیحدگی سے قبل بھی یہ علاقہ سابقہ ریاست آندھرا پردیش کا ایک اہم علاقہ رہا ہے۔ علمی، فکری، ادبی اور سیاسی اعتبارات سے بھی اس علاقہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ رائل سیما کا علاقہ، آندھرا پردیش کے چار اضلاع پر مشتمل ہے۔ چتور، کرنول، کڈپہ اور اننت پور۔

رائل سیما ایک مردم خیز علاقہ ہونے اور یہاں اردو شاعری کی مضبوط و مستحکم صوفیانہ روایات کے باوجود کماحقہ متصوفانہ شاعری پر کام نہیں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری یہ دلی آرزو بھی تھی کہ اکابرین و صوفیائے کرام کے متصوفانہ کلام پر کچھ ٹھوس کام کیا جائے اور اس عظیم الشان قدیم دکنی اردو میں دستیاب کلام میں مستور دُرِ آبدار و تابدار کو باہر لایا جائے۔ لہذا اس بحرِ مواج کی تہہ میں پوشیدہ گُہر ہائے صدف کی تلاش کی گئی ہے اور عظیم ورثے پر مشتمل لولوئے لالہ تک رسائی کی جستجو بھی کی گئی ہے۔ اور اس تحقیقی موضوع کے ذریعہ انہیں منظرِ عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

اگر چہ کہ رائل سیما سے متعلق اردو ادب کے حوالے سے مختلف یونیورسٹیوں میں بہت سے تحقیقی کام ہوئے ہیں۔ خاص طور پر سری وینکٹیشورا یونیورسٹی، تروپتی میں کئی تحقیقی مقالات پیش کیے گئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً: رائل سیما میں اردو تحقیق، رائل سیما میں صوفیانہ شاعری، رائل سیما میں اردو

تدریس، رائل سیما میں اردو غزل، رائل سیما میں افسانہ نگاری، رائل سیما کے عناصرِ خمسہ، رائل سیما میں اردو تنقید، رائل سیما میں نعتیہ شاعری، رائل سیما میں اردو شعر و ادب، اسی طرح رائل سیما کے مختلف اضلاع پر بھی الگ الگ تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں، جیسے ڈاکٹر محمد صدیق قیسی قمر نگری نے 'کرنول میں اردو شعر و ادب' اور ڈاکٹر راہی فدائی کی تحقیقی کتاب 'کڈپہ میں اردو' وغیرہ۔

البتہ یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ رائل سیما کی قدیم متصوفانہ شاعری کے حوالے سے تہذیبی، ادبی اور لسانی بنیادوں پر کوئی تحقیقی کام کہیں بھی نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نگرانِ کار پروفیسر مظفر علی شہہ میری اور سینٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد کی ڈاکٹورل کمیٹی نے مجھے اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

رائل سیما کے صوفیاء کرام کو عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر کافی عبور تھا۔ یہ ان تینوں زبانوں میں کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے کئی چند شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ اس کے باوجود آج بھی ان تصانیف کا ایک وافر حصّہ غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان تصانیف کی نمایاں خصوصیت تصوف کے مسائل اور مصطلحات کا برمحل اور بے ساختہ استعمال ہے۔ موجودہ دور میں علمِ تصوف سے عوام میں پہلے جیسی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ یہ علم اب صرف خواص کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ رائل سیما کے اردو ادب کے اس صوفیانہ لٹریچر کو از سرِ نو منظرِ عام پر لانا بھی اس تحقیق کا ایک اہم مقصد ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ تصانیف کا لسانی مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ یہ تصانیف کم و بیش تین سو سال پرانے ہیں۔ اس وقت کی زبان اپنی تشکیلی دور سے گزر رہی تھی۔ اس دور کا طرزِ تحریر بھی الگ تھا اور املا بھی الگ تھا۔ قواعد قدرے بھی الگ تھے۔ یہ ادب دکنی ہونے کی وجہ سے معیاری اردو سے بھی بہت الگ ہے۔ لہٰذا اس مطالعہ سے ہمیں نہ صرف رائل سیما کے صوفیاء کرام کے حالاتِ زندگی معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس زمانے کا یہذیبی، ادبی اور لسانی پس منظر آئینہ ہو جاتا ہے۔

تصوف نے زبانِ اردو کے شعراء کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے۔ قدیم دکنی شعراء سے لے کر شعرائے عصر حاضر تک تقریباً تمام اساتذہ سخن گلستان تصوف کے رنگ و بو میں مست رہے اور اس کے خیابانوں کی آبیاری کی۔ ہر دور میں شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کے زیرِ اثر رہے۔ اردو کا سرمایۂ سخن

مسائلِ تصوف کے زروگوہر سے گراں بار ہے۔اردو کے اولین شاعروں میں وؔلی اور میر تقی میؔر جیسے اساتذہ کے کلام کا وافر حصّہ مجازی عشق پر منحصر ہونے کے باوجود کہیں کہیں ان کے اشعار میں بھی تصوف کا رنگ صاف طور پر نظر آتا ہے۔اسی کی تقلید مابعد شاعروں نے کی اور یہ سلسلہ چل پڑا۔جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ غزل کی زبان اور اسلوب تصوف کے اسرار اور رموز کو بیان کرنے کے لئے خاص طور پر موزوں ومناسب معلوم ہوتا ہے۔مجازی شعر کے معاملات کی طرح عشقِ حقیقی کی کیفیتیں بھی تفصیل وصراحت کی متحمل ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ غزل میں تصوف کے مضامین بڑی خوبی کے ساتھ ادا ہوئے۔

اردو شعراء نے تصوف کی اصطلاحات کو اپنی شاعری میں کثرت سے استعمال کیا ہے۔تصوف کی اصطلات دوطرح کی ہوتی ہیں۔ایک علمی اصطلاحات اور دوسری شاعرانہ اصطلاحات۔ احدیت، وحدیت، واحدیت، برزخ، عروج، نزول، اصطلاحات۔احدیت، وحدیت، واحدیت، برزخ، عروج، نزول، وجود، وحدت الوجود، وحدت الشہو د، ہمہ اوست، شہود، تجد دِ امثال، سکروصحو، قبض وبسط، اعیان، اسمِ اعظم، الہام، تجلی تعین، جبروت، جمال، جلال، حقیقت، حال، ذکر، سالک، شریعت، طریقت، ظہور، عرفان، عارف، عینیت، غیریت، غیب الغیب، کفر، کشف، غفلت، لاھوت، لامکاں، مشاہدہ، ملکوت، معرفت، مراقبہ، وصال، ناسوت، منازل، مقام، واجب، اورھائے وھووغیرہ تصوف کی علمی اصطلاحات کی مثالیں ہیں۔

قد، قامت، لب، رخسار، بادہ، ساقی، دہن، زلف، خال، ابرو، ساغر، بنجارہ، پردہ، آئینہ، ایاغ، پیانہ، جام، حرم، چشمۂ حیواں، دل، قلب، پیر مغاں، پیرخرابات، جنون، رند، دارورسن، زنداں، صنم کدہ، شراب الست، قلندر، گنجِ مخفی، میخانہ، نشہ، مستی، کافر، مئے، یار، دلبر، محبوب، صنم، خالِ سیاہ، کفر، دیر، وصل اور ساغر وپیانہ وغیرہ۔۔۔۔۔شاعرانہ اصطلاحات ہیں۔جو اردو کے صوفی شعراء نے اپنے اشعار میں استعمال کیں ہیں۔اس باب میں ان علمی وشاعرانہ اصطلاحات کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

رائل سیما میں شہ میر یہ خانوادہ میں کئی علماء، شاعر، ادیب، صاحبِ تصنیف بزرگ گذرے ہیں، شہ میر یہ خانوادہ بخارا سے نکل کر شمالی ہند، گلبرگہ، بیجاپور ہوتے ہوئے حیدرآباد، کرنول، کڑپہ، گرم کنڈہ پہنچا۔رائل سیما میں یہ خانوادہ تقریباً چارسو سال کی تاریخ رکھتا ہے۔اس خانوادہ میں جو صاحبِ تصانیف

بزرگ گذرے ہیں وہ یہ ہیں حضرت شاہ میرؔ، حضرت شاہ نورؔ، حضرت شاہ کمالؔ، حضرت بیرنگؔ، حضرت سالکؔ، حضرت مقبلؔ، حضرت لامعؔ اور حضرت اکملؔ وغیرہ۔ان بزرگوں نے حقائق و معارف کے ذریعہ تبلیغِ اسلام واحسان کی اہم خدمات انجام دیں۔

ان صوفیاء کرام کے علاوہ رائل سیما میں اور بھی کئی صاحبِ تصانیف بزرگ گذرے ہیں جن میں حضرت شاہ فی الحالؔ قادری، مولا مسکینؔ، سید قدرت اللہ قادری، سید شاہ طاہرؔ قادری، قادر لنگا اور سید شاہ عبداللطیفؔ لاابالی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے تحقیقی مقالے میں مندرجہ ذیل صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

- حضرت شاہ میرؔ
- حضرت شاہ طاہرؔ
- حضرت شاہ فی الحالؔ
- حضرت شاہ نورؔ
- حضرت شاہ کمالؔ
- حضرت شاہ میرؔ (ثالث)
- حضرت سید جلال الدین اکملؔ
- حضرت سید علی مراد شاہ افضلؔ

تہذیبی مطالعہ کے تناظر میں، اگر صوفیانہ شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ تصوف و سلوک اور معرفت وطریقت سے متعلق موضوعات اور اس کے متعلقات اردو شاعری کے مزاج میں پیوست ہو چکے ہیں۔صوفیانہ شاعری کے علاوہ بھی عام اردو شاعری میں بھی صوفیانہ اصطلاحات اور

تراکیب جزوِ مزاج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں اُس عہد کی تہذیبی و تمدنی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔اس دور کی رسوم و رواج، لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ پیش برتاؤ کے مختلف انداز اور اُس دور میں مروج شادی بیاہ کے رسم و رواج اور اس قبیل کی بہت سے اموراور ان تمام کی تہذیبی اساس ہمیں صوفیانہ کلام کے مطالعہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر کرنول کے حضرت شاہ فی الحال نے اپنے دکنی دیوان میں کئی مثنویوں کو شامل کیا ہے۔آپ کے ہاں اُس عہد کے دستور کے مطابق ''ناموں'' کا رواج تھا، جیسے چکی نامہ، بودنامہ، پیت نامہ، شادی نامہ، ارشادنامہ وغیرہ۔

حضرت شاہ فی الحال کے کلیات میں شامل مثنوی ''شادی نامہ'' میں تہذیبی امور کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔اس میں ایک شادی کی تفصیل کے تمثیلی پردے میں رموزِ عرفان وسلوک پیش کئے گئے ہیں۔اس عہد کی تہذیبی جھلکیاں جیسے: شادی بیاہ میں گانے گانا، منجے بٹھانا، ہلدی لگانا، چکسا لگانا، وغیرہ

صوفیائے کرام نے دکنی ادب میں جن مقبولِ عام اصناف کو اختیار کیا اور پروان چڑھایا' ان میں چند قابلِ ذکر شعری اصناف یہ ہیں: سہیلا، جکری، سکھ سہیلا، تسبی، ارشادنامہ، معراج نامہ، پند نامہ، ضیافت نامہ اور چکی نامہ وغیرہ۔

اِن شعری اصناف کے مختلف مواقع متعین ہیں' جن میں ان منظومات کو پڑھا جاتا ہے اور ایک مخصوص لَے اور آہنگ بھی ان کے لئے متعین ہے۔اس طرح ان ناموں کو پڑھنے کا ایک مخصوص کلچر زمانۂ قدیم سے مروج ہے۔

حضرت شاہ کمالؒ کے کلام میں قدیم شعری صنعت اور اُس عہد کی مقبول صنفِ سخن ''چکّی نامہ'' پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔آپ کا یہ چکی نامہ' درحقیقت علوم و معارف کا خزانہ ہے، جس میں آپ نے تصوف و معرفت اور سلوک و عرفان کے پیچیدہ مسائل کو نہایت سلیس اور عام فہم اسلوب میں پیش کر دیا ہے۔چکی نامہ عام فہم اور اُس عہد میں مروج قدیم دکنی اردو زبان میں کہا گیا ہے۔یہ

چکی نامہ آج بھی زبان زدِ خاص و عام اور عوامی ادب کا شاہ کار ہے۔

حضرت شاہ کمالؔ کی مثنوی 'چکی نامہ' کا ایک تہذیبی پہلو یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دور میں چکیوں کا رواج تھا، خواتین چکی پیسنے کے دوران مختلف قسم کے صوفیانہ کلام پڑھتی یا گنگناتی تھیں۔ استعاراتی اور اشاراتی پیرایۂ بیان بھی عام تھا کہ پردہ نشین خواتین بھی چکی اور چکی کے متعلقات کے حوالے سے عرفان و معرفت کے مضامین کو سمجھ سکتی تھیں۔ بالعموم چکی پیسنے کے دوران کئی خواتین مل جل کر ایک ساتھ چکی نامہ پڑھتی اور ساتھ ساتھ چکیاں پیستی تھیں۔

رائل سیما کے صوفی شعراء نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ جیسے غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، حمد، نعت، مناجات، منقبت، منظوم داستان، سلام، ریختی وغیرہ۔ بعض غزلیات کی زمین کافی مشکل ہے۔ لیکن انھوں نے اس مشکل زمین میں بھی تصوف کے نازک مسائل اور اسرار و رموز کو چابک دستی سے بیان کیا ہے اور فن کے آداب کا خیال رکھا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن کے حدود میں رہ کر بھی اپنی تعلیمات اور تصوف کے اسرار کی گرہ کشائی پر قادر تھے۔ تصوف کے مسائل کو بیان کرنے کے لئے رائل سیما کے صوفی شعراء نے غزلوں کا سہارا لیا اور ان غزلوں سے وہ اپنے وارداتِ قلبی کا اظہار بھی کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اردو کے اہم اہم اور نامور شعراء کے کلام کا انھوں نے جواب بھی دیا ہے۔

رائل سیما کے صوفی شعراء نے محاورے، ضرب الامثال، استعارے، روزمرہ اور تشبیہات وغیرہ کا استعمال بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔ رائل سیما کے صوفیانہ کلام کے بیشتر اشعار میں صنائع لفظی یا صنائع معنوی کی کوئی نہ کوئی صنعت پائی جاتی ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء نے جابجا اپنے عہد کی زبان میں استعمال ہونے والے محاوروں کو بے تکان استعمال کیا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رائل سیما کے صوفی شعراء کو دکنی زبان پر کتنا دست رس حاصل تھا۔ انھوں نے تصوف کے مسائل کو بیان کرنے کے لئے جابجا محاوروں کا استعمال کیا ہے اور ان کی مدد سے انھوں نے اپنے مطالب کی تشریح و توضیح کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کی ایک اہم ادبی خصوصیت یہ ہے کہ محاوروں کا موزوں و مناسب استعمال اور ان کی کثرت ہے۔ رائل سیما کے صوفی شعراء نے اپنے کلام میں جن محاوروں کا استعمال

کیا ہے ان میں چند یہ ہیں۔ سر پر پہاڑ اٹھانا' قدم دھرنا' دریا کو کوزے میں بھرنا' قبر میں پاؤں لٹکانا' دال گلنا' دل چھیننا' خاک ہونا' دل میں گھر بنانا' آنکھیں بچھانا اور ہاتھ ملنا وغیرہ ۔اس طرح کے اور کئی محاورے رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں ہم کو ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر محاوروں کے اشعار بھی پیش کئے گئے ہیں۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں اصنافِ سخن میں پائے جانے والے تنوع کا جائزہ لیا گیا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کے بارے میں یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس میں مختلف و متنوع اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ بعض اصناف جو اُس دور میں مقبول و متداول تھیں' آج متروک ہیں۔ رائل سیما میں چند شعری اصناف مروج تھیں، جن کا چلن اُس دور میں عام تھا اور مختلف مواقع کے لیے بعض 'نامے' مخصوص تھے۔ جیسے: 'چکی نامہ'، 'معراج نامہ'، 'پند نامہ'، 'بود نامہ'، 'صندل نامہ'، 'شادی نامہ'، 'پنچھی نامہ'، 'پیت نامہ' اور 'ہدایت نامہ' 'ارشاد نامہ' وغیرہ۔ اس باب میں ان اصناف سخن کی چند مثالیں بھی درج کی گئی ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ''آثار نامے'' اور ''صندل نامے'' صرف اور صرف رائل سیما کے صوفی شعراء کے کلام میں ہی نظر آتے ہیں۔

رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں' ہندوستان کی مختلف زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ کبھی کبھی کلام میں تلگو، مراٹھی، کنڑی کا کوئی لفظ آجاتا ہے، اور اس دور میں مروج دیگر الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں بعض الفاظ جو دکن میں مراٹھی سے مستعار لئے گئے ہیں، مثلاً نکو' کیتیک وغیرہ مراہٹی کا لفظ نکو سنسکرت ن کھل اور پراکرت نکّھو سے مشتق ہے۔ نکو حرف انکار اور نہیں کے معنی میں دکن میں آج بھی مستعمل ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری میں لفظ نکو کو بار بار استعمال کیا ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

لسانی جائزہ کے ضمن میں افعالِ ناقص، تذکیر و تانیث، ضمائر، فعلِ امر و نہی، ماضی مطلق وغیرہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں متروک الفاظ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ رائل سیما کی صوفیانہ شاعری کا لسانی مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیوں کہ یہ شاعری کم و بیش تین سو سال

پرانے ہیں۔اس وقت کی زبان اپنی تشکیلی دور سے گزر رہی تھی۔اس دور کا طرزتحریر بھی الگ تھااور املا بھی الگ تھا۔قواعد قدرے بھی الگ تھے۔یہ ادب دکنی ہونے کی وجہ سے معیاری اردو سے بھی بہت الگ ہے۔جمع بنانے کے قاعدے،صفات،تذکیروتانیث سب الگ الگ ہیں۔اس باب میں اس کی تفصیل مع مثالوں کے پیش کی گئی ہے۔

اس مطالعہ سے ہمیں نہ صرف رائل سیما کے صوفیاءکرام کے حالاتِ زندگی معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس زمانے کا تہذیبی،ادبی اورلسانی پس منظر آئینہ دار ہوجاتا ہے۔

کتابیات

کتابیات

سلسلہ	مصنف	تصنیف	پبلشرز	سال اشاعت
۱۔	بدیع حسینی ڈاکٹر	دکن میں ریختی کا ارتقاء		
۲۔	حمیرا جلیلی ڈاکٹر	قطب مشتری	ترقی قردو بیورو، نئی دہلی	۱۹۹۲ء
۳۔	خلیل صدیقی	زبان کیا ہے؟	عاکف بک ڈپو، نئی دہلی	۱۹۹۸ء
۴۔	رفعیہ سلطانہ ڈاکٹر	اودرنثر کا آغاز وارتقاء		
۵۔	سخاوت مرزا محمد	تذکرۂ حضرت مخدوم جہانیانِ جہاں گشتؒ	انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرا سٹڈیز، حیدر آباد	۱۹۶۲ء
۶۔	سلیمان منصور پوری قاضی محمد علامہ	رحمۃ اللعالمین		
۷۔	سید اسرار بخاری	کتاب اللمع فی التصوف	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی	۱۹۹۱ء
۸۔	سیدہ جعفر ڈاکٹر	دکنی رباعیاں	آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی، حیدر آباد	
۹۔	سیدہ جعفر ڈاکٹر	یوسف زلیخا		
۱۰۔	شاہ کمال حضرت	دیوانِ مخزن العرفان	مصطفیٰ قاسمی؛	۲۰۱۰ء
			شارپ کمپیوٹرس، حیدر آباد	۲۰۰۹ء
۱۱۔	شاہ کمال حضرت	معراج نامہ	بزمِ شہ میرؒ کدری	۲۰۰۹ء
۱۲۔	شاہ کمال حضرت	ضیافت نامہ	بزمِ شہ میرؒ کدری	۲۰۰۹ء
۱۳۔	شاہ میرؒ	دیوانِ شاہ میر	پریمیر پور پریس، بنگلور	۱۹۵۰ء
۱۴۔	ظہیر احمد باقوی راہیؔ فدائی	کڈپہ میں اردو	ٹملناڈو اردو پبلی کیشنز، مدراس	۱۹۹۲ء
۱۵۔	عارف نعمانی سید	تذکرہ حضرت سید شاہ طاہر قادری		
۱۶۔	عبدالحق مولوی	اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام	انجمنِ ترقی اردو ہند، نئی دہلی	۱۹۹۵ء
۱۷۔	عبدالقادر سروری پروفیسر	فہرستِ اردو مخطوطات، جامعہ عثمانیہ		
۱۸۔	عبدالستار دلوی پروفیسر	دکنی اردو	شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی	۱۹۸۷
۱۹۔	غوثوی شاہ مولانا	عقائدِ سنّیہ	ادارہ النور، حیدر آباد	
۲۰۔	کامل قریشی	گذشتہ لکھنو	اردو اکیڈمی، دہلی	
۲۱۔	گلشن آبادی امام الدین	تاریخ اولیاء	لکھنو	
۲۲۔	محمد حفظ الرحمٰن ڈاکٹر	تصوف اور صوفیاء کی تاریخ عرب سے ہندستان تک	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۴ء

۲۳۔ محمد عبدالحق انصاری ڈاکٹر تصوف اور شریعت جلد اول مرکزی مکتبہ اسلامیہ، دہلی ۲۰۰۸ء

۲۴۔ محمد عبدالحق انصاری ڈاکٹر تصوف اور شریعت جلد دوم مرکزی مکتبہ اسلامیہ، دہلی ۲۰۰۸ء

۲۵۔ محمود بخاری سید شہ میری اولیأ نامی پریس' حیدرآباد ۱۹۵۸ء

۲۶۔ محی الدین قادری زورؔ وضاحتی فہرست کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو

۲۷۔ مظفر شہ میری ڈاکٹر نقش ونظر معراج پبلی کیشنز' تروپتی ۱۹۹۴ء

۲۸۔ میر ولی الدین پروفیسر اسلامی تصوف نامی پریس، حیدرآباد ۱۹۵۳ء

۲۹۔ نصیرالدین ہاشمی دکن میں اردو ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

۳۰۔ نصیرالدین ہاشمی وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ

۳۱۔ وحید کوثر ڈاکٹر دکنی کلیات حضرت شاہ فی الحال قادریؒ کی تنقیدی تدوین نرالی دنیا' دہلی ۲۰۰۶ء

مخطوطات

۱۔ امام محی الدین خاں صاحب حامیؔ اثرِ اعتقاد

۲۔ حضرت سید سلطان محی الدین بادشاہ بخاری سالکؔ حقیقت المحققین

۳۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ ارشادِ نوریہ

۴۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ تجلئ انوار (تجلیاتِ نورانی)

۵۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ رسالۂ سوال وجواب (سوال نامہ)

۶۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ آداب المرشدین وآداب المریدین

۷۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ عقائدِ نوریہ

۸۔ حضرت سید شاہ نوراللہ بادشاہ بخاریؒ پندنامہ

۹۔ حضرت شاہ کمال الدین بخاریؒ کلماتِ کمالیہ

۱۰۔ سید جلال الدین اکمل چہل حدیث

١١۔ مقبل سراپائے رسول

رسائل/اخبارات

١۔الاحسان دعوتی مجلّہ اپریل ٢٠١٠ء

٢۔اللطیف۔ محمود بخاری سید حضرت مکان ویلور ٢٠٠٦ء

٣۔رائل سیما سواتنتزا سمر چرترا

۴۔سالار (روزنامہ) بنگلور، ۵/دسمبر ٢٠١٠ء

۵۔سلوک (رسالہ) شہ میریہ اکیڈیمی ١٩٩١ء

٦۔شاہین (ماہ نامہ)، کرنول۔ وحید کوثر ١٩٨۴ء

٧۔کتب نما (ماہ نامہ) دسمبر ١٩٩۵ء

٨۔نوائے ادب۔ سخاوت مرزا ماہِ اپریل ١٩۵٣ء

غیر مطبوعہ مقالات

١۔کرنول میں اردو شعر و ادب کی ترقی صدیق احمد

٢۔حضرت سید شاہ نوراللہ بخاریؒ کی تصانیف کا لسانی جائزہ جمال اللہ حسینی سید